

A
HISTORY OF HINDI LITERATURE
(IN URDU)

458



BY
SYED ZAHIR-UDDIN AHMAD ALVI

**Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.**

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

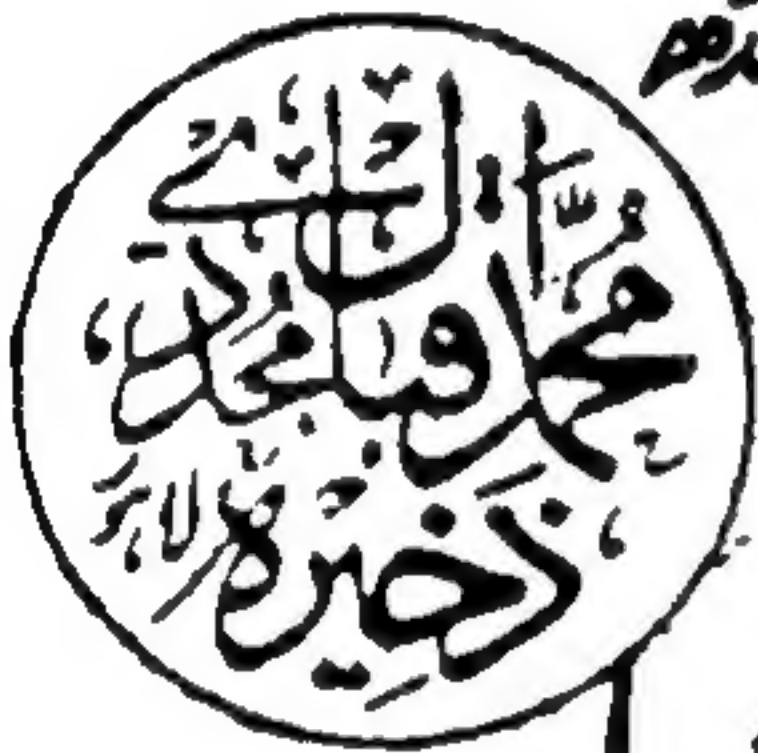


تاریخ ادب ہندی

مصنفہ

سید ظہیر الدین احمد علوی

ایم۔ اے (فارسی) ایم۔ اے (اردو) ایل۔ ایل۔ بی
شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ



ناشر
لالہ رام ترائن پبلیشر
الہ آباد
۱۹۵۳ء

قیمت ۶۰

بار دوم

نزداد

(بلا حفظ، حسن قبول، محسن، ردود اکثر میراج بہادر سپرو بالقابہ)

من دل درماں طلب را، ارمغان آورده ام
لطف باشد، گراہی برسی، چسپاں؟ آورده ام
دامن خالی، ز رنگارنگ گلہائے چمن

اندراں، خار بہار صد خزاں، آورده ام
از متاع خویشتن، برخویشتن تازم، اہمی
انجہ می باشد لبوئے مہرباں، آورده ام
خشک اوراق پریشان ادب، در رشتہ

از برائے باغبان بوستاں، آورده ام
سپروئے عالی گہر، اہل نظر والاہم

بر دیر او بہر نذر یاسباں، آورده ام
سعی ہمت، جوش دل، تاتنگاہم، آنے طہر
دہ چہ ارزا نے بہ انداز گراں، آورده ام

(عقیدت گزین)

سید طہیر الدین احمد علوی طہر



سید ظہیر الدین احمد علوی ایم-اے

مقدمہ

مصنفت اور تصنیف

ایک جرمن فاضل کی رائے ہے:۔

”اچھا مصنف وہ ہے جس کو اپنی قابلیت کی نمائش بظہر
نہ ہو بلکہ اس کے پیش نظر یہ رہے کہ ضرورت اور وقت کیا چاہتے
ہیں اور ملک کس چیز کو پسند کرتا ہے۔“

(گٹ ہولڈر کیننگ)

۱۶۷۲ء یا ۱۶۸۱ء

کسی تصنیف پر اظہار خیال کرنے کے سلسلہ میں مصنف
اور اس کی خصوصیات، مساعی تصنیف و ترتیب کا تفصیلی ذکر بھی
فہم تصنیف کی عظمت معلوم کرنے کے لئے ناگزیر ہوتا ہے۔
یہ خصوصیات ایسے ”شخصیت پرست“ دور میں جس میں ”من قال“
(کس نے کہا؟) بھی معیار ہو ”ما قال“ (کیا کہا؟) کے جاچنے
اور صحیح طور پر سمجھنے کا۔

یہ کہ اس خیال سے بالکل اتفاق ہے کہ:۔

”باغ کی سرسبزی اور آراستگی، باغیاں کے نام اور کام
میں وہ شہرتوں کی دہ دار ہے۔“

مصنف

ہمارے مسلک میں تصنیف کو سمجھنے کے لئے پہلے مصنف کو سمجھنا چاہئے۔ "تاریخ ادب ہندی" کے

"مصنف" مولوی سید ظہیر الدین احمد علوی اکم۔ اے (فارسی)

اکم۔ اے (اردو) ایل۔ ایل۔ بی (علیگ) استاد شعبہ اردو

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سب سے پہلے مشہور خاندان کے فرد

مولوی سید زین العابدین مرحوم منصرم جی کے چھوٹے بیٹے مولوی

سید نصیر الدین احمد علوی مرحوم۔ اکم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سبج

علی گڑھ، خوش گو شاعر کے چھوٹے بھائی اور مولوی حافظ عبدالرحیم

مرحوم و مولانا عبدالحکیم حبیب فاضل علوم عربیہ کے بھتیجے ہیں۔ یہ ہر دو

بزرگ حضرت والدی شیخ الشیوخ مولانا محمد فاروق حریا کوٹی کے

شاگرد تھے۔ ان کا قدیم وطن نیگو ضلع اعظم گڑھ ہے مولوی صاحب

خوش فکر، بلند خیال شاعر اور صاحب ذوق سلیم اور ادیب ہیں۔

سب سے زیادہ یہ کہ "مثال عمل" محنت، جفاکش، عزم راسخ رکھنے

والے، دھن کے یکے انسان ہیں۔ اس لئے قلیل عرصہ عمر میں متعدد

کتابوں کے مؤلف اور مرتب ہیں۔ ان کتابوں کا حسن قبول یہ ہے

کہ ان میں سے اکثر کورس میں داخل ہو چکی ہیں۔

مصنف کا ذوق ادب

انسان نام ہے دل اور دماغ کا

اور ذوق کی صحت دل اور دماغ کی

صحت زندگی ہے۔ مولوی صاحب کی تمام ادبی کاوشیں اور ان کاوشوں

کا اہتمام اگر پیش نظر رکھ کر غور سے دیکھا جائے تو ان سب ذوق کا بلند معیار زندگی ملے گا۔ عام طور پر یہ غلط مشہور ہے کہ انتخاب مضامین نظم، نثر کورس کے لئے آسان چیز ہے لیکن حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے۔ مضامین کا انتخاب ہو یا اشعار کا، انتخاب کرنے والے کے فطری رجحان اور اس کے ذوق کی لہری اور بلندی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس اصول کو سامنے رکھ کر عام انتخابات کو دیکھئے۔ خاص انتخاب ممتاز نظر آئے گا اگرچہ ان کی تعداد بہت کم بلکہ ”الشاذ کا معدوم“ ہے۔

”تاریخ ادب ہندی“ پر تو آگے چل کر گفتگو ہوگی لیکن اس کتاب میں جو چیز ہمارے لئے جاذبِ ذوق و نظر ہوئی ہے وہ مصنف کے انتخاب اشعار کا سلیقہ ہے۔

مصنف کتاب علوی صاحب نے ادوارِ قائم کر کے ہر دور کے شعرا کا انتخاب کلامِ سنو نے کے طور پر جس قدر پیش کیا ہے اس کی یہ خوبی اس ذوق کی بلندی کی گواہ ہے کہ ایک دو شعروں سے شاعر کی تمام شاعری کا اصل خط و خال معلوم ہو جاتا ہے اور یہ سمجھ میں آ جاتا ہے کہ شاعر کا رنگ اور طرز کیا ہے۔ یہ امتیاز نمایاں امتیاز ہے۔ ہماری رائے میں یہ بات غیر شاعر اور اس کے ساتھ ہی غیر لطافتِ طبع کو مشکل سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی خصوصیتِ رسائی، علوی صاحب کے ذوقِ شعر و ادب

کے لئے کافی ہوتی اگر دوسری خصوصیات بھی پیش نہ ہوتیں۔

ذوق ہندی | دریائے ذوق کسی خاص ساقی کا یا بند یا کار بند نہیں ہوتا۔ یہ ایک نظریہ ہے۔ وسعت ذوق کی تائید میں اس کی تشریح یہ ہے کہ ذوق ادب کو محدود اور پابند کرنا اپنی اور ذوق کی تنگ نظری اور مذہب و حد بندی ہے۔

اردو کے شاعر اور ادیب کے لئے ہندی زبان اور اس کی شاعری اتنی ہی ضروری ہے جتنی نظر کے لئے آسمان کی بلندی اور ذوق نظر کے لئے باغ اور تصویر بہار۔ کھول اور کلیاں اور ان کی رنگارنگی۔ شاید یہ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ:-

اکثر مشہور اساتذہ شعراء اردو۔ ہندی شاعری بالخصوص اس کے تغزل سے متاثر نظر آتے ہیں "خدا غزل" میر تقی میر اس سے خود متکیف تھے اور ان کی غزلیں متاثر ہیں۔ یہ ایک علیحدہ بحث ہے جو سلسلہ میں آگئی ہے ہم نے خود اس کی طلب اور جستجو میں کافی وقت صرف کیا ہے۔ اسی طلب اور جستجو کے اثناء میں عزیز دوست مولوی منظور الحق کلیم اعظمی نے بھی اپنی توجہ ادھر مبذول کی اور ہندی شاعری کے مشہور مضمون نگار ہو گئے۔

مولوی صاحب چند مسلمان ہندی پسندارباب ذوق میں سے ایک ہیں۔ ان کے ذوق نے صحیح طور پر ہندی کی ضرورت محسوس

کے لئے کافی ہوتی اگر دوسری خصوصیات بھی پیش نہ ہوتیں۔

ذوق ہندی | دریا کے ذوق کسی خاص ساقی کا یا بند یا کار بند نہیں ہوتا۔ یہ ایک نظریہ ہے۔ وسعت ذوق کی تائید میں اس کی تشریح یہ ہے کہ ذوق ادب کو محدود اور یا بند کرنا اپنی اور ذوق کی تنگ نظری اور مذموم حد بندی ہے۔

اردو کے شاعر اور ادیب کے لئے ہندی زبان اور اس کی شاعری اتنی ہی ضروری ہے جتنی نظر کے لئے آسمان کی بلندی اور ذوق نظر کے لئے باغ اور تصویر بہار۔ کھول اور کلیاں اور ان کی رنگارنگی۔ شاید یہ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ:-

اکثر مشہور اساتذہ شاعر اردو۔ ہندی شاعری بالخصوص اس کے تغزل سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ”خدا غزل“ زیر تقی میر اس سے خود متکلف تھے اور ان کی غزلیں متاثر ہیں۔ یہ ایک علیحدہ بحث ہے جو سلسلہ میں آگئی ہے۔ ہم نے خود اس کی طلب اور جستجو میں کافی وقت صرف کیا ہے۔ اسی طلب اور جستجو کے اثناء میں عزیز دوست مولوی منظور الحق عظیم اعظمی نے بھی اپنی توجہ ادھر مبذول کی اور ہندی شاعری کے مشہور مضمون نگار ہو گئے۔

علوی صاحب چند مسلمان ہندی لیترا ریٹ ذوق میں سے ایک ہیں۔ ان کے ذوق نے صحیح طور پر ہندی کی ضرورت محسوس

کی اور اپنے ذوق ادب و شاعری میں اس کو شامل کر لیا۔
 علوی صاحب اردو اور فارسی کے ایک۔ اے ہیں۔ انگریزی
 کے متعلق کچھ کہتا نہیں۔ ہندی نے مل کر ان کے ذوق کو مجمع الاتجار
 بنا دیا ہے۔ ان کی کوشش چاہے تو ان دریاؤں کی گہرائی سے
 اور زیادہ قیمتی موتی نکال سکتی ہے۔

راہ کوشش کی سختیاں اور اس کی منزل | لیلا کے کامیابی کی منزل دور

بھئی اور راہ دشوار گزار لیکن علوی صاحب اول قدم سے لے کر
 آخر تک اس کے طالب اور جویا رہے۔

”شرط اول قدم آئست کہ محنوں باشی“

کسی مستقل اور جامع کتاب کی ترتیب اور تصنیف کے لئے
 تشنہ کاموں کو جس قدر ”هفل من مزید“ کی طلب ہوتی ہے
 اور اس طلب کی راہ میں جتنی مشقتیں اور دشواریاں خار و سنگ
 راہ ہوتی ہیں علوی صاحب کو سب پیش آئیں لیکن علوی صاحب
 سبالت کی طرح راہ و رسم منزل سے بے خبر نہ بھٹے۔

تصوف کا ایک مسلک یہ بھی ہے کہ راہ کا ہر کانٹا پاؤں کے
 لئے زخم و آبلہ اور دل کے لئے کیفیت و حال بن جاتا ہے۔ اس کا نام
 ہے ”ذوق طلب اور طلب ذوق“ سبالت اس جگہ پہنچ کر راہ اور
 منزل دونوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ یہ ہے دل کا مقام۔

کی اور اپنے ذوق ادب و شاعری میں اس کو شامل کر لیا۔
 علوی صاحب اردو اور فارسی کے اکملے ہیں۔ انگریزی
 کے متعلق کچھ کہتا نہیں۔ ہندی نے مل کر ان کے ذوق کو مجمع الاتجار
 بنا دیا ہے۔ ان کی کوشش چاہئے تو ان دریاؤں کی گہرائی سے
 اور زیادہ قیمتی موتی نکال سکتی ہے۔

راہ کوشش کی سختیاں اور اس کی منزل

کھٹی اور راہ دشوار گزار لیکن علوی صاحب اول قدم سے لے کر
 آخر تک اس کے طالب اور جوار ہے۔

”شرط اول قدم آفت کہ محنوں با شتی“

کسی مستقل اور جامع کتاب کی ترتیب اور تصنیف کے لئے
 تشنہ کاموں کو جس قدر ”کھل میں مزید“ کی طلب ہوتی ہے
 اور اس طلب کی راہ میں جتنی مشقتیں اور دشواریاں خار و سنگ
 راہ ہوتی ہیں علوی صاحب کو سب پیش آئیں لیکن علوی صاحب
 سبالک کی طرح راہ و رسم منزل سے بے خبر نہ بکھے۔

تصوف کا ایک مسلک یہ بھی ہے کہ راہ کا ہر کانتھایاؤں کے
 لئے زخم و آبلہ اور دل کے لئے کیفیت و حال بن جاتا ہے۔ اس کا نام
 ہے ”ذوق طلب اور طلب ذوق“ سبالک اس جگہ پہنچ کر راہ اور
 منزل دونوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ یہ ہے دل کا مقام۔

راہ امیر و بیکم میں یہ آخری منزل اور یہی آخری درجہ ہے۔ علوی صاحب کی جستجو علوی صاحب کو اسی راہ سے بنارس ہندو یونیورسٹی بھی لے گئی۔ وہاں سندرہ بیس روز تک ہندی لائبریری کی کتابوں میں ڈوبے رہے۔ علوی صاحب کا بیان ہے کہ ”مجھے صحتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن بکسوں کی مشغولیت نے محسوس نہ ہونے دیا۔“ علوی صاحب نے جن صاحب سے مسودہ صاف کرایا ہے وہ کہتے ہیں کہ ”اُن کے انتخاب کی بلندی نے مجھے بہت پریشان کیا کیونکہ وہ سیکڑوں اشعار میں سے صرف ایک شعر منتخب کرتے تھے اور مجھے دُکھ ہوتا تھا۔“

ہندو یونیورسٹی کی لائبریری کے علاوہ مشہور متعدد اداروں اور ذاتی کتب خانوں کے مالکوں کے دروازے بھی کھٹکھٹائے۔

کتابیں | بزمِ دالے گلِ ستوں کے پھولوں کا تناسب اور لطافت انتخاب کیا جانیں۔ اس کی صنعت کو اس مالی سے پوچھئے جو ہر پھول کو اپنی نظروں سے سینچتا ہے اور نظروں میں رکھتا ہے۔

علوی صاحب کی پیاس صرف ہندی کی کتابوں سے نہیں تھی بلکہ مشہور مصنفوں کی انگریزی کتابوں سے سیراب ہوئے ہیں۔ اور اس طرح اوراقِ منتشر کی شیرازہ بندی کی ہے۔

لائے وہاں سے یوں دلِ صدیارہ ڈھونڈھ کر
پایا اگر کہیں کوئی ٹکڑا اُکھٹا لیا

وقت اور فرصت | ہر کام کے لئے فرصت ضروری لیکن تالیف اور تصنیف کے لئے لازمی ہے۔ اس کے

اس لزوم کے ساتھ اور بھی لوازم ہیں۔

علوی صاحب مسلم یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے استاد ہیں، وقت کی پابندی کے ساتھ فرانکفون کی انجام دہی، تعلیم کے ساتھ امتحانات کی ذمہ داری اور اس کے تمام جزویات کی نگرانی سے عہدہ برآ ہو کر تالیف اور تصنیف میں انہماک، غیر معمولی ذوق اور ہمت و محنت کا کام ہے۔ ان ستمگازوں سے دامن چھڑا کر دوستوں کو داد و فادینے اور ان سے داد و فادینے کا موقع تلاش کر لینا صرف عشق ہی کی سخت جانی ہو سکتی ہے۔

پتھ اور پتھی | اردو کے ساتھ فارسی کا ذوق صحیح اردو دان اور اردو کے ادبیات کے لئے ایسا ہی ہے جیسے لفظ کے لئے

معنی۔ کوئی اردو اس وقت تک بلند نہیں ہو سکتی جب تک اس میں فارسی ترکیبوں کے آئینے نہ ہوں۔ غالب اور اقبال نے اس کو منہ کر چھوڑا۔ اردو کی ترکیب اس طرح ہے کہ اس کے شمار اکثر عربی اور اردو کے افعال اور مصادر ہندی کے ہوتے ہیں لیکن ترکیبیں فارسی کی ہیں۔ علوی صاحب نے اس کو سمجھا ہے اس لئے فارسی سے دلچسپی اور ہندی سے ذوق ہے۔ اردو کے ساتھ ان کو محبت ہے۔ اس لئے اردو کی کامیاب خدمتیں کی ہیں۔ طالبان اردو ان کو عزیز ہیں۔ اردو ادارے ان کے ذوق سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اردو اہل قلم ان کے دوست

ہیں اور وہ خود صاحبان ذوق کے نیاز مند ہیں۔ اپنے محبتوں میں اردو کے ساتھ شغف رکھنے کی وجہ سے نمایاں رہتے ہیں۔

تصانیف اردو | چالیس سال کی عمر میں متعدد کتابوں کی ترتیب، تالیف اور تصنیف "حسن حصول" اور "فتح عین"

ہے۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں۔ (۱) گلستا سخن (۲) گنجینہ نشر (۳) سیاحی کے کرتبے (۴) نامور ہستیاں (۵) عملی قواعد حصہ اول۔ دوم۔ سوئم (۶) اشک و رشک غالب (۷) تاریخ ادب ہندی (۸) تصانیف دو۔

اردو نگارش | اردو صحیح اور سلیس و رواں لکھتے ہیں اور اس میں ادب کی شیرینی اور چاشنی شامل ہوتی ہے۔ اسی لئے

اثر رساں اور عبارات مضامین کے طلبگار رہتے ہیں۔ تاریخ ادب ہندی کا انداز بیان اور زبان موضوع کی طلب کے عین مطابق ہے۔

سر تیج بہادر سیرو کے نام اقتساب | علوی صاحب کی نگاہ انتخاب کا یہ تیسری ٹھیک نشانی

پر پڑا ہے کہ انھوں نے اپنا یہ ادبی کارنامہ محسن ادب اردو نواز سر تیج بہادر سیرو کے نام منتسب یا ڈیڈیکیٹ (Dedicate) کیا ہے۔ اس نام نے کتاب کی خوبیوں کو المضاہف کر دیا۔

سر تیج بہادر کی اس خصوصیت کو عالم ادب کی دنیا جانتی ہے کہ وہ ادیب بھی ہیں اور ادیب پرورد بھی۔ اردو کے سحر نگار، الشاہد از بھی ہیں اور سرپرست بھی۔ اس کے علاوہ فارسی زبان کے ماہر ہیں اور ان کی مہارت

مسلم بھی ہے۔ اس کو دنیا جانتی ہے لیکن اس خصوصیت سے ہماری طرح چند مخصوص افراد واقف ہیں کہ ان کا قلم ایک طرف سحر فشاں اور ان کا دامن دوسری طرف ریاض رہتا ہے۔

کیا یہ تصنیف ہے | اہم نے تاریخ ادب ہندی کی ترتیب کو تصنیف اور مرتب کو "مصنف" کہا ہے باوجودیکہ اہم کو

تالیف ترتیب اور تصنیف کا فرق معلوم ہے۔ تالیف نام ہے کسی موضوع خاص کی تحت میں مواد فراہم کر کے کسی خاص صورت میں لانے کا مؤلف کی رائے کے ساتھ۔ ترتیب میں مرتب کی رائے نہیں ہوتی۔ اور نہ وہ مواد فراہم کرتا ہے بلکہ فراہم شدہ مواد کو مرتب و مدون کر دیتا ہے۔ مصنف مضمون کا موجد اور خلاق ہوتا ہے۔

”تاریخ ادب ہندی“ اگرچہ تالیف ہے لیکن ایسی تالیف ہے کہ اس میں اکثر اور بیشتر مقامات پر تصنیف کی پوری شان موجود ہے۔ تفصیلی بیان مقدمہ کو طویل کر دے گا ورنہ اس کے متعلق بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔

تصنیف

ہمارے موضوع مقدمہ کا دوسرا باب یا دوسرا ٹکڑا ”تصنیف“ یا تاریخ ادب ہندی پر ایک اجمال بحث ہے۔ تاریخ ادب ہندی کی خصوصیات کی بابت ”مصنف“ نے خود جو کچھ کہا ہے اس کا ذکر زیادہ

مناسب ہے :-

۱۔ تصنیف و مصنفت نیکو کنز بیاں

مصنف نے اپنے دیباچہ میں لکھا ہے کہ :-

۲۔ ”میرا مقصد اس کتاب کی تالیف سے یہ ہے کہ اردو داں طبقے کو ہندی ادب کی تعریف اور تدریجی ترقی سے روشناس کیا جائے۔“

بیان مقصد کے بعد کتاب کی خصوصیات کے متعلق لکھتے ہیں کہ :-

۳۔ ”ہندی ادب کے ادوار قائم کرنے کے بعد ہر دور کی خصوصیت اور تبدیلیوں پر بحث کی گئی ہے۔“

محنت اور کاوش کی نسبت لکھا ہے کہ :-

۴۔ ”یہ کتاب میری دو سال کی محنت کا نتیجہ ہے۔“

اس مقصد و خصوصیت اور محنت و کاوش میں جو حیرت پیش کی ہے وہ تاریخ ادب ہندی ہے اس کی تفصیل کیا ہے آئندہ اس کا بیان ہوگا۔ لیکن اس کے بیان سے پہلے خود ہندی زبان اور ہندی شاعری کو سمجھ لینا چاہئے۔

ہندی زبان | ہندی زبان اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ جب مراد لی جاتی ہے تو برج بھاشا یعنی متھرا کی زبان سمجھی جاتی ہے جس طرح اردو دو حصے اردو بے معنی مراد لیتے ہیں گویا برج بھاشا ہندی کی اردو بے معنی یاد دہلی اور لکھنؤ کی ٹکسالی زبان ہے۔ ہندی زبان ملک کے مختلف حصوں میں بولی جاتی ہے جیسا کہ

”تاریخ زبان ہندی“ کے مصنف نے لکھا ہے لیکن قابل مستدیرج بھاشا ہی ہے۔
ہندی بھی براکرت سے نکلی اور براکرت سنسکرت سے (ملاحظہ ہو نقشہ
صفحہ ۳، تاریخ ادب ہندی)۔

ہندی زبان کی خصوصیات | ہندی زبان کی سب سے ممتاز
خصوصیت یہ ہے کہ طبقہ عام و طبقہ
خاص کی ایک زبان ہے، لکھنے والوں نے اسی میں گلکاریاں کی ہیں۔
ریشیں المتغزین سوردا اس کی غزلوں کی یہی زبان ہے لیکن جگہ جو سنسکرت
کے ثقیل الفاظ آگئے ہیں وہ بالقصد کسی خاص اہتمام اور خاص غور و
کی تحت میں لائے گئے ہیں۔

اس زبان کی دوسری خصوصیتوں میں، اس کی سادگی، شیرینی،
بے ساختگی اور جذبات فطرت کی صحیح ترجمانی ہے۔

کھڑی بولی | ہر زبان کی سب سے بڑی خوبی الفاظ کا تناسب ہے۔
مثلاً ایک مرکب ہے ”مست بچن“ اگر اس کی جگہ راست بچن
یا ”تست گو“ کہیں تو متناسب باقی نہیں رہتا، ”کھڑی بولی“ نے اس تناسب
کو بریاد کر دیا ہے، تاریخ ادب ہندی صفحہ ۲۱۰ میں بچن شاعر نے لکھا ہے:۔
”بادل بن آئے ساقی“

ایک لفظ ساقی نے پورے مصرعہ کو اردو ترکیب میں ڈھال دیا ہے،
حالانکہ ساقی کے لئے ”دھمالا“ کا لفظ موجود ہے۔ اس کے علاوہ ”بادل“ کی
جگہ ”بدلا“ ”بدروا“ اور ”بادر“ برج بھاشا (ہندی) کے الفاظ سوردا اس

اور ان کے متبعین نے استعمال کیے ہیں۔ اردو میں بھی آتش لگانا۔ آگ لگانے کی جگہ اور ”آگ زنی“۔ ”آتش زنی“ کی جگہ غیر متناسب ترکیبیں اور الفاظ ہیں۔

ہندی شاعری | ہندی شاعری میں تمام اصناف ہیں لیکن سب سے زیادہ قابل ذکر صنف غزل ہے مصنف ”تاریخ

ادب ہندی“ نے زیادہ تر نظموں اور دوہوں کے نمونے دئے ہیں۔ دوہے فارسی اور اردو کی رباعیوں کی طرح اخلاقیات کے حامل ہوتے ہیں، دوسرے مضامین بھی پائے جاتے ہیں لیکن کم، مصنف نے انتخاب میں وہ اشعار زیادہ پیش نظر رکھے ہیں جن میں اخلاقیات۔ زبان و محاورات کی خصوصیات، حسن و عشق کے معاملات سے زیادہ ہیں۔ مصنف کی نظر انتخاب ضرورت کے لحاظ سے قابل پسند بھی ہے اور قابل داد بھی۔

ہندی غزلیں | ہندی غزلوں کو جو باتیں اثر و تاثیر کی حامل ہیں وہ دنیا کی کسی غزل کی زبان کو حاصل نہیں۔

مثلاً ہر ہندی غزل مضمون کے اعتبار سے جن جذبات یا دل کی کیفیت سے متاثر ہوتی ہے اس کو ”بھاؤ“ کہتے ہیں۔ ”بھاؤ“ کی دو قسمیں ہیں:-

۱۔ ”استھائی“ یعنی دائمی۔ ۲۔ ”وگہ چارن“ یعنی عارضی۔ عارضی کی نو قسمیں ہیں۔ اسی طرح دائمی کی قسمیں کھنی چاہئے۔ ”بھاؤ کا حاصل رس ہوتا ہے اس کے معنی مزے اور کیفیت کے ہیں۔ اس کی بھی حسب

ذیل نو قسمیں ہیں:-

۱۔ سرنگار (عشق)۔ ۲۔ کرونا (نرم دلی)۔ ۳۔ ویر (ہمت)

۴۔ بالسیہ (حسرت) ۵۔ راودر (غصہ) ۶۔ بھیا تک (خوف) ۷۔
وہیش (نفرت) ۸۔ اوبھوت (تجب) ۹۔ شانت (سکون) اور
تمام جذبات انھیں کے تحت میں ہیں۔

عشق یا لطافت جذبات | ہندی غزل کا دل میں اتر جانے والا
مضمون عشق یا بنیاد غزل

صنف نازک کا عاشق ہونا اور مرد کا معشوق ہونا ہے یعنی مغرور اور خود دار
حسن، عشق، مجبور و عاجز کے قدموں چھلک جاتا ہے، کیوں اس لئے کہ :-
ہندو مشورہ اپنی بیوی کا دیوتا، دونوں جہان کا حاصل ہے۔ اس کا
عشق، ایمان اور فرمان برداری عبادت ہے، اس خصوصیت نے اس کی
غزل کا معیار بلند کر دیا ہے عورت کا گھر ”میکایا نہر“ اس کا نہیں بلکہ ماں
باپ کا گھر ہے، شوہر کا گھر اس کا گھر ہی نہیں بلکہ اس کی جبین نیاز کے
لئے آستان حرم ہے۔

اظہار جذبات عشق کے لئے عورت کی مٹھی زبان، حیا کے ساتھ
محبت کی بخودی ساز حسن و عشق کا چھڑا ہوا تار خاموش دل رزاں ہے۔
حسن کی بہار پر عشق کا شوق رنگ ہندی شاعری کا الیسا دافریب باغ
ہے جس کے پھولوں کی ہلک روح کو وحید میں لاتی ہے۔

راگ راگنی اور دوسری چیزیں | ہندی غزل کے لئے وقت اور
موسم کی تقسیم دنیا لے غزل

میں ایک انوکھی بات شباب اور کیف آفریں سامان کہے۔ اس کا پیہا

اور کوئل ببل سے زیادہ تر جان عشق، اس کے تقاؤل کا کوئل غراب البین“
 حیرانی کے کوئے سے زیادہ یا کار، ہندوستان کی فضا لگتا اور جتنا کایانی،
 کمنوس، تالاب اور گھاٹ ایسے اندر غزل کے ترانے رکھتے ہیں۔ اس
 کا برہمن عشق و عاشقی کا نمد و معاون ہے۔ واعظ اور شیخ صرف آلہ
 مستحق و مذاق ہے، رقیب کے مقابلہ میں ہندی غزل کی ”سوت“،
 نمایاں فرق رکھتی ہے۔

ہنیشیں اور مصنف کے موازنے میں سکھی، آلی اور گویاں کا یکہ بھاری
 ہے۔ ”دیور“ شوہر کا چھوٹا بھائی زخم عشق کے لئے چھیڑ ہے اور ”نند“
 شوہر کی بہن مرہم ہے لیکن نمک سے بھرا ہوا۔ کہاں تک تفصیل بیان کی جائے۔
 اس کی دو شاخیں ہیں۔ ایک گروہ شری کرشن جی کا بھگت
 ہے اور دوسرا شری رام چندر جی کا پرستار۔ کرشن جی کی
 پیرائش، پرورش، متھرا کا قیام، گوالوں کے ساتھ گالیوں کا جھیرانا،
 جنگلوں اور حیرا گاہوں میں بھرنایا سنری بجانا، ساتولی صورت کا دلکش
 اور مرجع خلافت ہونا پھر اس کے متعلقات، ایک کبیری عورت کی طرف
 ان کی توجہ کا میزول ہونا اور کبیری کا محسود ہونا، عشق اور تصوف کے
 سرمائے اور شری کرشن کی تعلیم دین اور ایمان سب کچھ ہے۔
 جو لوگ رام چندر جی کے پرستار ہیں وہ ان کے تمام خصوصیات
 عادات۔ حالات کو متعزہ سمجھتے ہیں، ان کے حالات کے ایک ایک جزو
 اور ان اجزاء کو شیرازہ بند حیات ایمانی جانتے ہیں۔

اس سلسلے میں دنیا کی بے ثباتی اور دوسرے اخلاقی لوازم کا بیان تصوف کی شاعری کے اسباق ہیں۔ کرشن جی کے بھگت سورداس نے سورسنگر میں اور رام چندر کے پرستار تلسی داس نے رامائن میں جو کچھ لکھا ہے تصوف، حسن و عشق اور اخلاق کے بلند مقامات ہیں، ان دونوں گردہوں کے پیرو اپنے پیش روؤں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔
تاریخ ادب ہندی کی تفصیل کے یہ مبادیات ہیں، خود کتاب میں کیا ہے؟ ہماری رائے کے مطابق یہ ہے۔

تاریخ ادب ہندی

تاریخ ادب ہندی کا مقصد اردو کی دنیا کو ہندی زبان کی تاریخ، ادب اور اس کی شاعری سے روشناس کرنا ہے، اس میں مشہرہ نہیں کہ علوی صاحب نے اپنا فرض ادا کیا اور خوش اسلوبی اور محنت سے ادا کیا لیکن ادائیگی فرض میں کچھ ندرتیں بھی پیش کی ہیں۔

حاملیہ اور اس کتاب کا فرق عام طور پر تالیفوں اور کورس کے لئے انتخابات کا یہ عالم

ہے کہ مؤلفوں اور انتخاب کرنے والوں کے سامنے سابق انتخابات اور تالیفیں موجود ہوتی ہیں، ان سے وہی چیزیں لیتے ہیں اور صرف ترتیب بدل کر اپنے نام اور اپنی محنت سے منسوب کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ سمجھ کر تا چاہتے ہیں اور نہ اس کا سلیقہ رکھتے ہیں، مثلاً مضامین نشر میں سرسید

نذیر احمد یا اور چند متعارف اور معروف افراد کے نام بار بار لئے جاتے ہیں۔
نظم میں حالی۔ اسماعیل، غالب، میر، اقبال ہر جگہ آتے رہتے ہیں اس پر
حد بندی یہ کہ وہی عنوانات، وہی مضامین، وہی نظمیں اور وہی غزلیں۔
اور وہی سب کچھ۔ ان لوگوں کے خیال اور علم میں اکھنڈ شعرا اور اربابِ نشر
کے دوسرے مضامین اور نظم و غزل قابلِ ذکر نہیں ہوتے اور نہ دوسرے
شعرا اور اصحابِ قلم لائقِ اعتبار۔

اس کا سبب محنت اور ذوق کی کمی ہے، انتخاب کرنے والے زیادہ
وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو نہ ذوقِ ادب ہوتا ہے اور نہ شعورِ علم۔
جو لوگ ان کتابوں کو چھپوا کر مقصدِ تجارت پورا کرتے ہیں ان سے
زیادہ موردِ الزام وہ ہیں جو ان کو منظور اور قبول کرتے ہیں، اس عمل
نے ادب کے صحیح ذوق کو برباد کر کے صرف تجارت کو فروغ دینے کا ہتھ
کر لیا ہے۔ "تاریخ ادب ہندی" اپنی نوعیت کی اردو میں پہلی کتاب ہے،
اس لئے یہ سوال خود بخود ساقط ہو جاتا ہے کہ مصنف کو اس قسم کی کسی
آسانی سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ مصنف نے تاریخ ادب ہندی میں جو
کچھ کیا ہے ان کی ذاتی رائے، ذاتی کاوش اور ذاتی محنت ہے اور یہ
کل چیزیں محنت میں ہیں مصنف کے ذوقِ سلیم کے۔ ہم نے تاریخ ادب
ہندی کو جن بنیادوں پر تصنیف کیا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے۔
یہ کتاب "تاریخ ادب ہندی" مشتمل ہے ایک دیباچہ، دو نقشوں
اور سات عنواناتوں یا ابواب پر اس کی تفصیل یہ ہے۔

دیباچہ و نقشہ | دیباچہ میں مصنف نے کتاب کے متعلق جو کچھ کہا ہے، اس کا مختصر بیان ہے، اس بیان میں نہ تو خاکساری کا

تعلیٰ ہے اور نہ کتاب کو اہم بنانے اور بتانے کا اہتمام، یعنی زبان میں سادگی، بیان میں سلاست ہے، اظہار اور طرز ادا میں وہی باتیں ہیں جو بالکل ضروری ہیں۔

دونوں نقشوں میں ایک نقشہ شروع میں لسانی نقشہ ۱۹۰۰ء کے نام سے درج ہے، اس میں یراکرت سے نکلی ہوئی تمام اہم ملک کا ذکر ہے، بیک نظر پورا موضوع سمجھ میں آجاتا ہے۔

دوسرا نقشہ اسی عنوان کے تحت میں ۱۹۳۱ء تک کا آخر میں ہے، دونوں نقشوں کے دیکھنے سے ۳۲ سال کی تاریخ اور لسانی عروج و زوال معلوم ہوتا ہے۔

اس کے بعد مضامین اور عنوانوں کی ترتیب حسب ذیل ہے:۔

زبان اور اس کی ابتداء | مصنف نے اس باب میں اس سے ابتداء کی ہے:۔

”محققین لسان اس پر متفق ہیں کہ تمام زبانوں کا مبدا وسط ایشیا کا وہ پہلا خطہ ہے جو یورپ کی سرحد پر واقع ہے“ عربی، فارسی اور انگریزی کے مورخین اور ماہر لسانیات کا بیان اس سے ملتا ہوا ہے، تاریخ یہود اور سامی زبانوں کے محققین ایک حد تک اس کے ہم آہنگ ہیں۔ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ دنیا کی سب سے قدیم زبان عبرانی

ہے وہ بھی اور جو عربی اور سریانی کو بتاتے ہیں وہ بھی اس رائے سے اختلاف نہیں کرتے ہیں کہ زبان قدیم کا مولد ایشیا ہے۔

اس باب میں مصنف نے یہ بھی بتایا ہے کہ زبانیں قوم اور ملک کے اثرات سے بدلتی ہیں اس لئے ان کے نام بھی بدلتے۔ اس عنوان کے تحت میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہندوستان کے پہلے فارح ایرین جو ہند میں آکر انڈو ایرین کہلائے، ہند کی تاریخ کا سراغ اسی قوم سے ملتا ہے اس کی زبان سنسکرت تھی اسنہسکرت سے پراکرت اور پراکرت سے متعدد زبانیں پیدا ہوئیں اس کو سمجھنے کے لئے مصنف نے صفحہ ۳۴ پر زبان کا شجرہ بھی دے دیا ہے۔

اس باب میں بھی تحت اور سلیقہ
ہندوستان اور اس کی زبانیں

سے مفید اور منتشر معلومات
یکجا کی گئی ہیں جو ترتیب کی خوش سلیقگی کی وجہ سے ازلیں مفید اور دلچسپی کی چیزیں بن گئی ہیں۔

اس باب میں زبانوں کے تاثر اور تاثر تغیر و تبدل کے اسباب تاریخ اور اس کا فلسفہ بیان کیا ہے۔ ہندوستان کے مختلف حصوں اور متعدد حصوں میں جو زبانیں پیدا ہوئیں ان کی تحقیق کی ہے، ماخذ اور منبع بتایا ہے۔ ان زبانوں میں چھپی اور یورپی ہندی، برج بھاشا اور پالی زبانیں قابل توجہ ہیں۔

برج بھاشا، سورتاس کی غزلیں اور تلمیسی داس کی رامائن کی زبان

ہونے کی وجہ سے یورپی اور کچھ ہندی وسعت اثر کے اعتبار سے اور
پاکستان کے مذہب کی مذہبی زبان ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔ پالی
زبان کے متعلق صفحہ ۵ پر ہے کہ :-

”دو برہمنوں نے ہاتھ بڑھ سے سوال کیا کہ مذہبی تبلیغ
سنسکرت میں کیوں نہ کی جائے اس پر ہاتھ بڑھ نے کہا کہ پالی
کے سوا کسی زبان میں تبلیغ کرنے والا داخل جہنم ہوگا۔“

اس باب میں اردو رچیت، ہندوستانی کا ذکر اور ان کے نمونے
نظم اور نثر دونوں میں موجود ہیں اور ”کھڑی بولی“ کی تخلیق اور تولید اور
اس کے گھر کا پتہ بھی بتایا ہے۔

صفحہ ۲۱ پر وید بھاشا کا شجرہ دیا ہے اور صفحہ ۲۲ پر تمام حصص
ممالک میں جو زبانیں بولی جاتی ہیں اور ان میں جو ادنیٰ تغیر ہے اس کا
نمونہ دے کر اپنی تحقیق و دلیل کو برہنہ کیا ہے۔

ہندی ادب کا سرسری جائزہ | یہ بھی ایک دلچسپ اور
میراز معلومات باب ہے۔

اگرچہ صرف چار صفحات پر تمام ہو گیا ہے، لیکن اس کو زے میں دریا
سمونے کی مناسبت کو شش کی ہے۔ مثلاً مسلمان بادشاہوں کے
حکموں اور ہندوستان میں حکومت کا بیان ہے اور یہ بھی دکھایا ہے
کہ مسلمانوں سے پہلے زبان اور ادب ہندی کا کیا رنگ تھا، مسلمان
بادشاہوں کی حکومت اور مسلمانوں کے تمدن نے زبان پر کیا اثر ڈالا،

اور مسلمانوں نے ہندی ادب کی کس حد تک سرپرستی کی، عام مسلمانوں کا رجحان اس کی طرف کس قدر تھا؟ اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ انگریزی حکومت کا اثر ہندی پر کہاں تک ہوا اور اس کے کیا اسباب تھے۔ ان معلومات کے حاصل کرنے میں ۱۵۰۰ء سے انیسویں صدی تک کا جائزہ لیا ہے اس میں مختلف مذہبی فرقوں اور ان کی زبان اور ادب کا بھی ذکر آگیا ہے۔

ہندی ادب کے ادوار | ہندی تذکرہ نویسوں کی تقسیم کے مطابق ”تاریخ ادب ہندی“

کے مصنف نے بھی چار دور قائم کئے ہیں :-

۱۔ پہلا دور ویر کا کھٹا کال از ۶۹۹ء تا ۱۳۱۹ء

۲۔ دوسرا دور کھجکتی کال از ۱۳۱۹ء تا ۱۶۲۴ء

۳۔ تیسرا دور ریت کال از ۱۶۲۴ء تا ۱۸۴۴ء

۴۔ چوکھا دور گدیہ کال از ۱۸۴۴ء تا حال

یہ اجمال ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مصنف نے ہر دور کا حال تقسیم کے مطابق اس طرح بیان کیا ہے کہ تمام جزئیات دور بھی اس میں آگئے ہیں اور ادب اور زبان کی کل چیزیں متعلقہ دور مذکور آگئی ہیں۔ بیان اس قدر سلیکھا ہوا ہے کہ لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے ”مساوات“ کا لطف رکھتا ہے۔

ہر دور کا علیحدہ علیحدہ اجمالی بیان اس طرح ہو سکتا ہے :-

137023

پہلا دور ویرگاکھا کال یا آد کال | بقول مصنف ”یہ دور
 بہادروں کی تاریخ کا ہے“

اس کا سبب یہ ہے کہ ”ہندوستان بیرونی حملوں کا لیے درپے
 شکار ہو رہا تھا“ (صفحہ ۲۸)۔ اس سے کسی کو انکار نہیں کہ شاعری زبان
 ملک و فضا ہوتی ہے یا یوں سمجھئے کہ شاعری زبان ہے اور ملک و قوم دل
 دل میں درد ہو یا مسترت زبان پر بے ساختہ آجاتی ہے، ملک چونکہ میدان
 جنگ بن گیا تھا اس لئے شاعری اس کا نقیب تھی مصنف نے لکھا ہے
 کہ ”اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ ہندی شاعری کی پرورش میدان جنگ
 میں ہوئی اور اس لئے اس زمانے کے شعراء کا کلام شجاعت اور بہادری کے
 جذبات و مضامین سے لبریز ہے“ (صفحہ ۲۹) شجاعت اور بہادری کے
 کارنامہ ہائے خونریزی کا اُس وقت تک رنگ شوح نہیں ہوتا جب تک
 اُس میں حسن و عشق کی شوخی اور حیا نہ ہو مصنف نے لکھا ہے کہ
 ”اس لئے کہیں کہیں شعراء کے کلام میں عشقیہ خیالات کی جھلک بھی
 پائی جاتی ہے“ (صفحہ ۳۰)۔ اس دور میں اکثر لڑائیاں عورتوں کی وجہ سے
 ہوئی ہیں۔ اس دور کی جنگی نظمیں شہولیوں اور گلیتوں میں پائی جاتی ہیں۔
 حسب تحقیق مصنف اس دور کے مسلمان شاعروں میں مسعود قلی
 اکرم، فیض بھی مشہور ہیں۔ لیکن اس دور کا سب سے مشہور شاعر
 چند بردائی اور اس کا ادبی کارنامہ ”پرکھی راج راسا“ نظم میں اور
 ۶۹ جلدوں میں ہے مصنف نے صفحات چالیس۔ اکتالیس و بیالیس

ایک فہرست دے دی ہے جس میں اس دور کے مشہور شعراء بقید نام و
سنہ لکھا ہو گئے ہیں۔ اس فہرست سے ان شعراء کے خصوصیات
اور تصنیفات کا بھی حال معلوم ہو جاتا ہے۔

اس دور کی ہندی شاعری فارسی اور عربی کے الفاظ سے اچھی
طرح متاثر معلوم ہوتی ہے کیونکہ مسلمانوں کے قدم ہندوستان میں
آچکے تھے اور ان کے اثرات پھیل چکے تھے۔

سری دھرنے اپنے منظوم جنگ نامے میں ذیل کے الفاظ
بے تکلف استعمال کئے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اس مدح کا ممدوح بھی مسلمان
مرتضیٰ خاں نام کا ہے:۔ روج = روز، دیوان گھاس = دیوان خاص۔
مرتجا کھاں = مرتضیٰ خاں۔ کھیرالیو = فرالیو (صفحہ ۴۶)۔

اس دور میں شاعری پر فلسفہ۔ مذہب اور
تصوف کا اثر غالب نظر آتا ہے۔ بیشتر
مذہب اور مسلک پیدا ہو گئے تھے۔ گرو نانک اور کبیر نے اپنے اپنے
عقائد کے مطابق نیا مذہب جاری کیا۔ ان دونوں اور اکثر دوسرے
مذہب میں کسی حد تک توحید مشترک نظر آتی ہے۔

شاعری کے اعتبار سے میر جاناں۔ کبیر داس۔ ملک محمد جاکسی اور
سور داس بڑے ممتاز اور مشہور شعراء گذرے ہیں۔ تلسی داس اور
ان کی معروف و خاص کتاب رامائن اسی دور کی پیداوار ہے۔ مصنف
نے اس عہد کی عام خصوصیات میں اس دور کا خلاصہ پیش کیا ہے جو

انہیں مفید و کارآمد ہے۔

تیسرا دور ریت کال | اس دور میں امن و امان کے آغوش اور حکمرانوں کی سرپرستی میں ادب ہندی اور شاعری نے بہت ترقی کی۔ اکبر شاہجہاں۔ عالمگیر نے اپنے اپنے عہد میں دہسوزی کے ساتھ اس کی سرپرستی کی۔ اکبر کے درباری امیر عبدالرحیم خاٹھاناں نے ہندی شاعری کی نہ صرف سرپرستی کی بلکہ اس زبان میں وہ اپنے عہد کے ”جگت گرو یا جہان استاد“ شاعر مانا گیا ہے۔ ہندی زبان اردو و فارسی سے کافی متاثر ہوئی۔ عربی کے ضروری اور بلند معانی الفاظ نے بھی اس کے سنوارنے میں شرکت کی۔ فارسی کے خیالات اور شبیہات و استعارات نے زبان کو بلند تر اور لذت آفریں بنا دیا۔

اس دور میں مصنف نے شاعروں اور ان کی شاعری کے بیان کے متعدد دھنوں نے دے کر اہل ذوق کی تلاش و جستجو کو مطمئن کر دیا ہے۔ اس دور میں ہندی نشر قابل توجہ بن کر سامنے آئی۔

چوتھا دور گدیہ کال | جو کچھ دور میں ہندی ادب یعنی نظم و نثر دونوں اچھی طرح بار آور ہوئیں۔ مغربی زبانوں بالخصوص انگریزی لٹریچر نے اس زبان کو بخوبی متاثر کیا۔ فورٹ ولیم کالج نے اس زبان بالخصوص نثر کی بنیاد مستحکم کی۔ راجہ شیو پریخاد نے اس کو اسکولوں تک پہنچا دیا۔ چند دلوں کے اندر یہ زبان ہر قسم کے ادبیات کا خزانہ بن گئی۔ اس کے بعد علوم و فنون کے

ترجمہ اس زبان میں ہونے لگے۔ ملک کے مختلف حصوں میں اس کے ادارے قائم ہو گئے اور ان اداروں نے سب کچھ کیا اور کر رہے ہیں جو زبان کی ترقی اور ترویج کے لئے ضروری ہے۔ جس کی وجہ سے بڑے بڑے اہل قلم سید ا ہو گئے۔

اس جگہ یہ کتنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندی کی وہ خوبی اور شیرینی جو اس زبان کی خصوصیت تھی اس میں بہت کمی آگئی۔ نئی نئی اور بے جوڑ ترکیبوں نے اس کی فطرت اصلی کو بیل دیا۔ سادگی میں بناوٹ آگئی اور بے ساختگی میں رکاوٹ۔ ملک کے ادیبوں کا فرض ہے کہ اس چیز کو سمجھیں کہ کوئی زبان اپنے کو کھو کر اگر بہت کچھ یاتی ہے تو کچھ نہیں یاتی۔

جدید ہندی کی موجودہ روش مصنف نے ہندی کی موجودہ روش کو نالیند کرتے ہوئے اپنے جن جذبات

کا اظہار کیا ہے اس کے متعلق ہم کو بھی اصولی طور پر کچھ کہنا ہے۔

علم الالسنہ کے ماہرین کا خیال ہے کہ ہر زبان کو یہ حق ہے کہ بقدر ضرورت دوسری زبانوں پر قبضہ کر لے۔ لیکن اس کے لئے کسی طرح جائز نہیں کہ کسی زبان کا مقاطعہ (بائیکاٹ) کر دے۔ دنیا میں جتنی زبانیں برسر کار ہیں وہ عملاً دوسری زبانوں سے نہ صرف متاثر ہیں بلکہ مالا مال ہیں اور یہی اس کی وسعت اور ہمہ گیری کا حسن قبول اور کامیابی ہے۔ یورپ کی زبانیں باہم ایک دوسرے سے لین دین کرتی ہیں اور یہ سودا نہ گراں سمجھا جاتا ہے اور نہ متاع زبیاں "انگریزی میں کثرت سے فرانسیسی۔

لاطینی۔ جرمنی۔ اطالوی۔ یونانی زبانوں کے الفاظ شامل ہیں لیکن انگریز ان سے کراہیت نہیں کرتے بلکہ ادبیات میں اکثر یہ ذخیل الفاظ اصل زبان سے زیادہ فصیح اور بلیغ بن جاتے ہیں۔

عربی زبان جو بعض محققین کے نزدیک قدیم ترین زبان ہے، عبرانی۔ سریانی۔ فنیقی۔ حبشی اور دوسری زبانوں

عربی اور فارسی

سے مالا مال ہے اور اس کی فصاحت و بلاغت میں فرق نہیں آتا۔ فارسی بھی اور زبانوں کی طرح مستقل زبان ہے۔ لیکن عربوں اور عربی کے میل جول سے فارسی زبان نصف عربی معلوم ہوتی ہے۔ اساتذہ فارسی۔ سعدی۔ حافظ۔ جامی وغیرہم کا کلام اس کی شہادت ہے۔ ایرانیوں نے اس میں یہاں تک اہتمام کیا کہ جو الفاظ ان کی زبان میں پہلے سے موجود تھے ان کی جگہ عربی الفاظ لائے اور ان کو فصیح بھی سمجھا اور بلیغ بھی۔ جن کی چند مثالیں یہ ہیں:۔

عربی

قلم
لفظ

مکتوب

قسم
قرآن

معنی
نبی

فارسی

خامہ

واژہ

نامہ

سوگند

نبی

ضم
دخشور

ہندوستانی یا اردو | اردو کی زندگی ترکیب سے قائم ہے۔
 اہل زبان نے جب اس کو وسیع کرنا چاہا
 تو عربی۔ فارسی۔ ہندی کے غیر معنی الفاظ اس میں شامل کئے۔ یہ
 الفاظ زبان زد ہوتے ہوتے طبقہ خاص سے گذر کر عوام کی ملکیت
 ہو گئے۔ مثلاً:۔

صبر۔ دل۔ جان۔ محبت۔ عشق۔ تقدیر۔ قسمت۔ ایمان وغیرہ۔
 ان الفاظ کو ہندو اور مسلمان دونوں سمجھتے ہیں۔ اگر ان الفاظ کو
 خارج کر دیا جائے تو زبان کا انتشار اک تجروح ہو جائے گا۔ اس کے
 علاوہ عربی اور فارسی کے ایسے مرکب اور مفرد الفاظ بھی ہیں جن کا
 اخراج محل اور موقع کو ساقط کر دیتا ہے۔ مثلاً جانباز۔ دلچسپ۔
 ایماندار وغیرہ مرکب الفاظ اور جان۔ دل۔ ایمان۔ مفرد الفاظ۔
 اس کے علاوہ بعض الفاظ ایسے ہیں جو بظاہر ہم معنی ہیں لیکن
 ان میں معنوی فرق موجود ہے۔ مثلاً صبر۔ سکون۔ تسلی۔ تشفی۔ تسکین۔
 دلہی۔ اگر ان کی جگہ کوئی لفظ سنسکرت کا لایا جائے تو مفہوم غلط
 ہو جائے۔ بعض الفاظ ایسے بھی ہیں کہ ان کا قائم مقام مشکل ہے۔
 مثلاً حسن۔ صبر۔ علیٰ ہذا القیاس۔ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کے قائم مقام
 الفاظ ذمہ سے پہلو رکھتے ہیں۔ مثلاً متحجب اور حیدرہ کی جگہ ”چھنٹا“
 کا لفظ حالانکہ چھنٹا صفت ہے بد معاش کی۔
 اسی طرح لڑاکا جہاز ”جہاز لڑاکا“ نہیں ہوتا بلکہ بعض کھٹیا ریاں

ہوتی ہیں۔ انتخاب کا ترجمہ چٹناؤ یا کل غلط ہے۔ چٹناؤ اینٹوں کا ہوتا ہے یا کیڑے کا۔

مدعی کا ترجمہ جھگڑا اور مقدمہ کا جھگڑا اسر اسر غلط ہے۔ ان دونوں لفظوں میں جھگڑے کے مفہوم کا شائبہ بھی نہیں۔ ضمنی سوال کا ترجمہ موم سوال کیسا مضحکہ خیز ہے۔ سوال عربی ہے مگر یہ دستور ہے بعض ارباب قلم نے عام الفاظ میں بھی تصرف کر دیا ہے مثلاً ٹکڑ کی جگہ ٹکراؤ نیا لفظ ہے اور بے محل نہ اردو ہے نہ ہندی۔ اگر اسی کا نام ہندوستانی ہے اور اسی کو اردو کی جگہ رائج کرنا چاہتے ہیں تو افسوس ہے زبان کا اور حیرت ہے ذوق زبان پر۔

ایک حسرت ناک پہلو | اس تخریب قدیم اور تعمیر جدید سے نہ صرف اردو زبان کی تباہی ہے بلکہ ہندی کی مٹی بھی بلید ہو رہی ہے۔ ان دونوں زبانوں سے ہندو اور مسلمان دونوں کو مشترک ہمدردی کی ضرورت ہے۔ ہندی اور اردو دونوں زبانیں ہندو اور مسلمان دونوں کی ہیں۔ مصنف نے صفحہ ۲۴۱ پر تخریب الفاظ کی فہرست دی ہے۔ اس کو دیکھ کر ذوق تعمیر پر لخت ہو تا ہے اس سے زیادہ تکلیف کی چیز صفحہ ۲۴۲ کے الفاظ ہیں یعنی کنیت۔ علم اور نام کا بھی ترجمہ کر ڈالا گیا ہے۔ انتہا ہو گئی۔ یہ مختصر لفظ صرف الفاظ کے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ ترکیب۔ محاورہ۔ زبان۔ اصطلاح وغیرہ کی بحث ایک مستقل موضوع کی خواہاں ہے۔

انتخاب اشعار

مصنف نے ”تاریخ ادب ہندی“ میں ہندی کے جو منتخب اشعار بطور نمونہ پیش کئے ہیں ان پر بھی نظر کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔

(۱)

سائیں اپنے حیت کی بھول نہ کہئے کوئے
جب لگ من میں را کھئے جب لگ کارج ہوئے
پہلے دور کے شاعر گروہر کا شعر ہے۔ شاعر راز دل چھپانے کی
ترغیب دیتا ہوا کہتا ہے کہ :-

اپنے دل کی بات کسی سے اس وقت تک نہ کہتا چاہئے جب تک
وہ بات عمل کی صورت اختیار نہ کر لے۔ یا جب تک کام نہ ہو جائے۔
فارسی اور عربی میں بھی اس موضوع پر بکثرت مقولے موجود ہیں۔
گلستاں سعدی میں اس کا نتیجہ بد اس طرح بتایا گیا ہے کہ
”یکے نقصان مایہ و دیگر شہادت ہمسایہ“۔

مصنف نے اس قسم کے اشعار منتخب کر کے اخلاق بلند کی تعلیم
دی ہے۔

(۲)

گو گو بند گایو نہیں حتم اکارت کین
نانک بھیج رس ہر مناجہ متھہ حل کوین

”تم نے گوشت کا گٹن نہیں گایا (تعریف اور مدح نہیں کی) تو گویا
 ساری زندگی برباد کر دی۔ اسے ناناگ ہر کو دل سے اس طرح یاد کر جیسے
 یانی سے یا ہر پھلی یانی کو یاد کر کے ترپیتی ہے۔“
 دوسرے دور کا شعر ہے۔ تانکات سکھ مذہب کے یانی نے کہا ہے۔
 تصوف کا مضمون ہے۔ طرزِ ادا دلی نشین اور تشبیہ بہت پیاری ہے۔
 (۳)

چھار اچھارت سیس پر کور حیم کہ کاج
 جہ راج من مینی تری تہ کھوجت گج راج
 تیسرے دور کا شعر ہے۔ عبدالرحیم خاٹھاناں اس کے شاعر ہیں۔
 مضمون کی بلندی اور تلاش نے شعر کو مرتبہ کمال پر پہنچا دیا ہے۔
 خضاع کہتا ہے کہ :-
 اسے رحیم یہ بتاؤ کہ ہاتھی اپنے سر پر یہ خاک کیوں اڑاتا ہے۔
 خود ہی جواب دیتا ہے کہ ہاں معلوم ہو گیا۔ ہاتھی پائے معشوق کی
 خاک تلاش کرتا ہے۔

مسلمان اور ہندو ہیں دو ایک مکران کا بیالا
 ایک مکران کا مدرا لہ ایک مکران کی بالالا
 جو تھے دور کے شاعر بچن کا شعر ہے۔ غزل کی شمع خمریات میں
 ہے۔ سیاست اور قومیت کا زنگ جھٹک رہا ہے۔ لیکن زبان کے

اعتبار سے اگلے ادوار کی بات کہاں۔ شاعر کہتا ہے کہ :-

مسلمان اور ہندو دو مختلف مذہب ہیں لیکن مشرب قومیت

میکرہ اور ساقی دونوں کا ایک ہے۔

مصنف نے جب ترکیب کتاب کی تکمیل کر لی

مصنف اور ہم

اور ہم کو اس کی خبر ہوئی تو اپنے ذوق ہندی

کے تقاضہ پر اس کا مقدمہ لکھنے کی ہم نے خود خواہش کی چنانچہ باوجود

کثرت افکار ہم نے اس کے لئے فرصت تلاش کر کے جو کچھ لکھا اور

جو کچھ کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ ہم کو افسوس ہے کہ اکثر

مسائل ادب و زبان تشنہ رہ گئے۔ اس کا سبب محدود مقدمہ کی

عدم وسعت ہے ورنہ شوق یہی کہتا رہا :-

ع۔ ”شب بسر رفت و مگر قصہ زلفش باقیست“

کیفی چیرا کوٹی

علی گڑھ

۳۰ مارچ ۱۹۴۲ء

تقریظ

از فاضل گرامی عالیجناب مولانا سعید احمد صاحب کسب بادی

ایم۔ اے و فاضل دیوبند مدیر ”برہان“ دہلی

اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کے اتحاد اور اتفاق کی کوئی تحریک خاطر خواہ طور پر اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ دونوں قومیں ایک دوسرے کی معاشرت۔ آداب زندگی اور زبان ادب سے واقف نہ ہوں اور انسانیت و اخوت وطنی کے احساس کی بنیاد پر دونوں ایک دوسرے کے کلچر کا احترام کرنا نہ سیکھیں۔ اس بنا پر یہ نہایت ضروری ہے کہ اردو داں طبقہ ہندی زبان و ادب سے واقفیت حاصل کرے اور ہندی بولنے والے اردو ادبیات سے شناساں ہوں، اس اہم سیاسی اور معاشرتی ضرورت سے قطع نظر ہندی شاعری میں یوں بھی ایک خاص قسم کی شیرینی اور لوح پایا جاتا ہے۔ اگر اردو زبان کے ادب اور شعر و ہندی زبان کے محاورات، کہاوتوں اور تشبیہات

واستعارات سے واقف ہو کر آسان اور عام فہم ہندی الفاظ استعمال کرنے کے خوگر ہو جائیں تو میرا خیال ہے کہ اس طرح وہ اپنی ادبی عبارتوں میں زیادہ جاذبیت اور کشش پیدا کر سکتے ہیں۔ بہر حال اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اردو دماغ طبقہ ہندی ادب سے واقف ہو۔

جہاں تک مجھ کو معلوم ہے ہندی شاعری سے تعارف کرائے کے لئے اردو زبان میں کئی ایک کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اب تک کوئی کتاب ایسی نہیں لکھی گئی جس میں ہندی زبان و ادب کی پوری تاریخ قلمبند کی گئی ہو۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مشہور فاضل استاد سید ظہیر الدین صاحب علوی نہ صرف خاص طبقے اور ادارہ کی طرف سے بلکہ تمام اردو بولنے اور پڑھنے والے مردوں اور عورتوں کی طرف سے دلی شکریہ کے مستحق ہیں کہ آپ نے ”تاریخ ادب ہندی“ نامی کتاب تصنیف فرما کر اردو لٹریچر میں ایک قابل قدر اور قیمتی اضافہ کیا ہے۔ جناب موصوف اردو اور ہندی دونوں زبانوں کے بلند پایہ ادیب اور وسیع النظر عالم ہیں۔ پھر مسلم یونیورسٹی میں آپ ایک مدت سے اردو اور ہندی زبان و ادب کے فاضل استاد ہیں۔ ادبی ذوق نہایت شستہ اور مذاق تنقید بہت سنجیدہ اور اعلیٰ ہے۔ اس لئے یہ ظاہر ہے کہ تاریخ ادب ہندی کے موضوع پر اردو زبان میں کتاب لکھنے کا حق

آپ سے زیادہ اور کس کو ہو سکتا تھا۔ عنوانات بحث کی جامعیت۔ زبان و بیان کی شگفتگی۔ مستند معلومات کی فراہمی اور حسن انتخاب کی موزونیت یہ وہ اوصاف ہیں جنہوں نے کتاب کی معنوی حیثیت کمیں زیادہ بلند کر دی ہے۔ ”غیاں راہہ بیاں“ ارباب ذوق خود اس کی قدر کریں گے اور وہ بین طور مجسوس کریں گے کہ یہ کتاب جس طرح ہر سنجیدہ لائبریری کی زینت بننے کی مستحق ہے اسی طرح ضروری ہے کہ اس کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اردو نصاب درس میں داخل کیا جائے۔

کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ شروع میں فاضل مصنف نے ہندی زبان کی تاریخ بیان کی ہے یعنی یہ بتایا ہے کہ یہ زبان کب اور کس طرح پیدا ہوئی اور اس میں عہد بہ عہد کیا تبدیلیاں اور ترقیاں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد آپ نے ہندی ادب کے مختلف ادوار ان کی لسانی اور ادبی خصوصیات اور ان ادوار کے نامی گرامی شعراء اور ادباء کے حالات و سوانح بیان کئے ہیں۔ صفحہ ۱۳۴ سے دور جدید کا آغاز ہوتا ہے۔ اس ذیل میں آپ نے اس عہد کی ستر اور نظم دونوں کے نمونے پیش کئے ہیں اور شاعروں اور ناشرین کے کلام پر تبصرہ کیا ہے۔ آخر کے دو ابواب میں ہندی کے ادبی اداروں اور ہندی زبان کے موجودہ رجحانات کا فاضلانہ تذکرہ ہے غرض یہ کتاب شروع سے آخر تک موضوع بحث کے تمام پہلوؤں پر

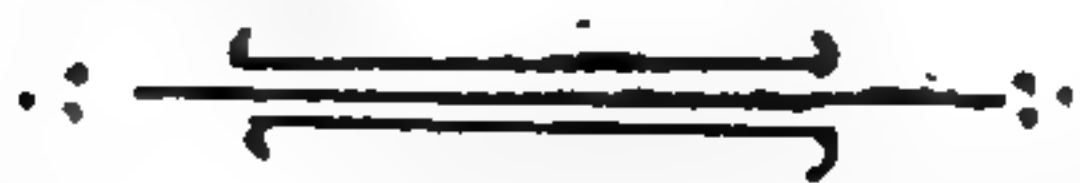
حادی ہے۔ جو کچھ لکھا گیا ہے بہت محنت اور تلاش و جستجو سے بصیرت
کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔ اس بناویر کتاب دلچسپ کی دلچسپ اور
معلومات کے لحاظ سے بیش از بیش مفید ہے۔ اس میں کوئی نشہ
نہیں کہ فاضل مصنف کی یہ سعی بلیغ تمام اہل زبان کی طرف سے دلی
شکریہ کی بجائے مستحق اور سزاوار ہے۔ ”جو ہر شناس خود جو ہر کی
قدر کریں گے ان کے لئے کسی کی سفارش کی کیا ضرورت ہے۔“

سعید احمد اکبر آبادی

۱۹ مارچ ۱۹۴۲ء



شکرِ خصوصی



میرے یاس الفاظ نہیں کہ جن سے میں اپنے مخدوم و مکرم
بزرگ علامہ کیفی چیریا کوٹی مدظلہ العالی کی خدمت اقدس میں
بصد ادب و احترام ہدیہ تشکر پیش کروں کہ موصوف نے اپنے
گوناگوں مشاغل کے باوجود میری اس حقیر تالیف کو اپنے گراں بہا
اور فاضلانہ مقدمے سے زینت بخشی۔

میں اپنے محب مکرم مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی ایکم۔
اے کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے کثرت افکار کے باوجود اپنے لطف
خاص کے تحت پیش نظر تالیف پر ایک فاضلانہ تقریظ قلمبند فرمائی۔
میرے رفیق خصوصی مولوی محمد عزیز صاحب ایکم۔ اے بھی
میرے دلی شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے اپنے قیمتی وقت کا
ایک بڑا حصہ مسودہ کی نظر ثانی میں صرف فرمایا۔

ظہیر علوی

Handwritten text, possibly a signature or date, located in the upper left quadrant of the page.

دیس پاپہ

یہ امر مسلمہ ہے کہ اردو اور ہندی زبانوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس لئے ان حضرات کے لئے جو اردو سے دلچسپی رکھتے ہیں، ہندی زبان کی تاریخ کا جاننا ضروری ہے۔ اس خیال کو مد نظر رکھتے ہوئے میرا مقصد اس کتاب کی تالیف سے یہ ہے کہ اردو داں طبقہ کو ہندی ادب کی تاریخ اور تدریجی ترقی سے روشناس کیا جائے۔ چنانچہ زمانہ قدیم سے لیکر زمانہ حال تک کے مشہور شاعروں اور نثریوں کے مختصر حالات زندگی مع نمونہ کلام اور تصانیف کے اس کتاب میں درج کئے گئے ہیں اور ہندی ادب کے ادوار قائم کرنے کے بعد ہر دور کی خصوصیت اور تبدیلیوں پر بحث کی گئی ہے۔ مختلف فرقوں اور تحریکوں کی ابتدا، ترقی اور زوال کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان ادوار کے تاریخی حالات و واقعات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ مختلف ادوار کے نظم و نثر کے نمونے بھی دئے گئے ہیں تاکہ ناظرین کو ہندی ادب کی تدریجی ترقی سے کما حقہ آگاہی ہو جائے۔ کتاب کے آخری حصہ میں ہندی ادب کے موجودہ رجحانات کے عنوان سے اس ترقی معکوس کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو ہندی ادب کو صحیح راستہ سے ہٹا کر بھیر غلط راہ پر لے جا رہی ہے۔

مذکورہ بالا مقصد کے علاوہ اس کتاب کی تالیف سے ایک غرض اور بھی رہے۔ ان تمام پوجورشیوں میں جاں ایم۔ اے کے امتحانات میں اردو بھی ایک مضمون ہے طلباء کے لئے ایک پرچہ ہندی کا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس پرچہ کی تیاری کے لئے اُنھیں کافی مواد فراہم نہیں ہوا کیونکہ اردو زبان میں ہندی ادب کی کوئی مکمل تاریخ موجود نہیں ہے۔ ان کی آسانی اور رہنمائی کا خیال بھی اس کتاب کی تالیف میں پیش نظر رہا۔

اس کتاب کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اسے وہ حضرات بھی از اول تا آخر

پڑھ سکتے ہیں جو ہندی زبان سے ناواقف ہیں۔ کیونکہ اس میں حتی عبارتوں یا استعار کے نمونے پیش کئے گئے ہیں انھیں ہندی کے علاوہ اردو میں بھی مع ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ یہ کتاب میری دو سال کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اس میں چند نقشے اور کچھ گرافت بھی شامل کئے جن پر ایک نظر ڈالنے ہی ہر کچاس سال کے لسانی تخرات اور دیگر باتوں کی آمیزش کے اوسط کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ مگر موجودہ جنگ نے کاغذ اس قدر گراں کر دیا ہے کہ مالک مطبع نے ان کو چھانے سے مجبوری ظاہر کی اس لئے نہایت افسوس ہے کہ انھیں شامل نہیں کیا جا رہا ہے۔ یہ نقشے اور گرافت بھی جالفشانی سے تیار کئے گئے تھے۔

آخر میں یہ میرا خوش گوار فرض ہے کہ میں سینڈت رام سرورپ شاستری صدر شعبہ سنسکرت مسلم یونیورسٹی و مسٹر ستیہ نرکاشی معلم کھارنہ و شے و دیالے پاڑھم ضلع میں پوری سینڈت رامیش چندر مسٹر تعلیم بی۔ اے کے کلاس و مسٹر نریندر پریہ تاب سنگھ بی۔ اے کے کاتہ دل سے شکریہ ادا کروں جنھوں نے نہایت خلوص اور محبت سے اس کتاب کی تالیف میں میری مدد کی ہے۔ نیز میں ان تمام مصنفین کا بھی ممنون ہوں جن کی کتابوں سے میں نے استفادہ کیا ہے۔ مالک مطبع بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے اس گرائی کے زمانہ میں کتاب کی طباعت کا ذمہ لیا۔

اگر دو زبان میں ایک مکمل تاریخ ادب ہندی کی کمی عرصہ سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے میں اپنی اس مختصر کتاب کو پیش کرتا ہوں۔ گر قبول افتخار ہے عزت و شرف

مصنف

۲۰ فروری ۱۹۴۲ء

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	شمار
۱	زبان اور اس کی ابتداء	۱
۴	ہندوستان اور اس کی زبانیں	۲
۲۳	ہندی ادب کا سرسری جائزہ	۳
۲۸	ہندی ادب کے ادوار	۴
۲۸	(۱) ویرگاکھا کال	
۴۷	(۲) کھگتی کال	
۱۰۵	(۳) ریت کال	
۱۳۱	(۴) گدیہ کال	
۲۳۴	دور جدید	۵
۱۴۰	(۱) نشر	
۱۷۶	(۲) نظم	
۲۱۱	ہندی کے ادبی ادارے	۶
۲۳۱	جدید ہندی کی موجودہ روش	۷

تاریخ

روز

ماه

۱
۲
۳
۴

۵
۶
۷
۸
۹
۱۰
۱۱
۱۲

زبان اور اس کی ابتدا

محققین لسان اس امر پر متفق ہیں کہ تمام زبانوں کا مبداء وسط ایشیا کا وہ پہلا آباد خطہ ہے جو یورپ کی سرحد پر واقع ہے۔ وہ زبانیں جو اس وقت اقطار عالم میں رائج ہیں، اپنے خطہ کے قدیم باشندوں کی زبان یا ان کی بگڑی ہوئی صورت ہیں۔ یہ تقسیم سر جارج گریسن کے لسانی شجرہ سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ جو اس باب کے آخر میں درج ہے۔

وہ قومیں جو وسط ایشیا سے مغرب کی طرف منتقل ہوئیں۔ یورپ میں۔ کلائیوں اور دوسری قومیں جو جنوب کی طرف بڑھیں ایرین کے نام سے منسوب ہوئیں۔ انھیں میں سے ایک قوم دریائے جیون کی طرف روانہ ہوئی اور کچھ دور چل کر یہ ایک قوم بھی تقسیم ہو گئی اور اس طرح سے منقسم طبقہ کی زبان بھی مختلف ہو گئی۔ وہ طبقہ جو ایران کی طرف منتقل ہوا اس کی زبان۔ میڈک۔ ہیلوی۔ فارسی۔ ژندر۔ پاژندر اور لیشٹو ہوئی۔ دوسرے طبقہ نے کابل کا رخ کیا اور وہاں سے گذر کر شمالی ہند کے میدان میں مقیم ہوا اور انڈو ایرین کہلایا۔ اس طبقہ کی زبان بھی انڈو ایرین کے

نام سے منسوب ہوئی۔ اس زبان کی ادبی تربیت زمانہ قدیم ہی میں ہو چکی تھی، ورنہ سنسکرت کہلاتی تھی۔ لیکن یہ شستہ زبان صرف ادبی کارناموں کے لئے مخصوص ہو گئی اور وہ زبان جو عوام میں گفتگو کا ذریعہ تھی پراکرت کہلاتی۔ اس زبان میں حسب موقع اور حسب ضرورت تبدیلیاں ہوتی گئیں اور اسی وجہ سے ہندوستان کے مختلف حصوں میں یہ زبان کافی رد و بدل کے ساتھ پہنچی۔ دیگر زبانوں کی آمیزش سے الفاظ کی کڑختگی میں قدرے نرمی تو ضرور آگئی مگر زبان پھر بھی سنسکراتی تراکیب سے خالی نہ رہی۔ رفتہ رفتہ یہ اختلاف زیادہ ہوتا گیا جس کا یہ اثر ہوا کہ ایک خطہ کی زبان اور بولی دوسرے سے بالکل مختلف ہو گئی۔ یہ زبانیں جو ایک دوسرے کے میل جول سے پیدا ہوتی گئیں۔ ”ایا بھرنش“ अपभ्रंश کہلاتیں اور یہی وہ زبانیں ہیں جن سے تمام ہندوستان کی زبانیں پیدا ہوئیں۔ جن کا زمانہ تقریباً سنہ ۶۰۰ء ہے۔ موجودہ زبانیں ایرانی زبانوں کا ملخص نہیں بلکہ ان کی تحلیل شدہ صورت ہیں۔



آیات و زیان



برائی را بچندین جہات آری جمالی بباری آری مادی و معنوی سندی ملتانی بخانی کوہستانی کہنہی سوزینی آگهی ما رشتہی بانی نیالی حکمانی

ہندوستان اور اس کی زبانیں

کرہ ارض پر ہندوستان ایک ایسا خطہ ہے جس کے ہیرے جواہرات پر ممالک غیر کے باشندوں کی للچائی ہوئی نظریں پڑتی رہیں اور جس کی پیداوار انھیں اپنی جانب متوجہ کئے رہی۔ اسی وجہ سے ہندوستان پر ہمیشہ حملے ہوا کئے اور بہت سی قومیں اس ملک کو اپنے گھوڑوں کی ٹالیوں سے روندتی رہیں۔ ان حملہ کرنے والوں میں یونانی، ایرانی، تورانی، آریہ، عرب، ترک، افغان، ڈوچ، فرانسیزی اور انگریز غرضکہ دنیا بھر کے لوگ تھے۔

یہ قاعدہ ہے کہ جب کئی ملکوں کے لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کی آسانی کے لئے اور باہمی ضروریات کی وجہ سے ایک دوسرے کے رسم و رواج اور بہت سی دوسری عاداتیں سیکھ لیتے ہیں۔ اسی قاعدے کا اثر ہندوستان کی عمارات، راگ راکنی، پوشاک، رسم و رواج وغیرہ میں معلوم ہوتا ہے اور سب سے زیادہ اثر ہندوستان کی زبانوں میں ظاہر ہو رہا ہے۔ زمانہ قدیم میں ہندوستان کی جو بھی زبان رہی ہو لیکن تاریخ کی روشنی میں آنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے مختلف حصوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ بنگال میں بنگالی، مہاراشٹر میں مراٹھی، پنجاب میں پنجابی، برج میں برج بھاشا، اڑیسہ میں اڑیا، مدراس میں تامل وغیرہ۔ یہاں کی بڑا کرت پر

ہمیشہ حملہ آوروں اور فاتحوں کی زبان کا اثر ہوتا گیا۔ آیرین یا آریہ۔ جب ہندوستان میں آئے۔ ایک ایسی زبان بولتے تھے جس کے بہت سے الفاظ فارسی زبان سے ملتے جلتے تھے جیسا کہ ان کا قومی نام آیرین اور ایران کی مشابہت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان کی زبان سنسکرت کہلاتی تھی جس کو وہ عوام سے الگ بھلا رکھنے کی وجہ سے دوسری زبانوں کے میل جول سے بچائے رہے لیکن پھر بھی ان کی زبان کے بہت سے الفاظ ملک کی پراکرتوں میں داخل ہو گئے۔ یہ ملی جلی زبان ”ایا بھرنش“ کہلاتی۔ مہاتما بدھ کے زمانہ میں سنسکرت کو زوال ہوا کیونکہ ان کی مذہبی زبان پالی تھی اور تبلیغ اسی زبان میں ہوا کرتی تھی۔ مہاتما بدھ زبان کے مسئلہ میں نہایت متعصب تھے جیسا کہ ”وی نئے پٹک“ کے ایک قصہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ بمیل اور آٹکل نامی دو برہمنوں نے مہاتما بدھ سے سوال کیا کہ مذہبی تبلیغ سنسکرت زبان میں کیوں نہ کی جائے۔ جب کہ ہر فرقہ اپنی زبان میں مذہبی تبلیغ کر رہا ہے۔ اس سوال پر مہاتما سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ بودھ مذہب کی تبلیغ پالی کے سوا کسی اور زبان میں کرنے والا داخل جہنم ہوگا۔ اس طرح سے ملک کی پراکرت میں پالی زبان کے الفاظ بھی شامل ہو گئے۔ بودھ مذہب کے زوال کے ساتھ ساتھ زبان کو بھی زوال ہوا اور حبشیوں کے زمانہ میں سنسکرت کو پھر عروج ہوا اور ہندوؤں نے اپنی کھوئی ہوئی عظمت ایک بار پھر حاصل کر لی۔ اتنے میں یونانی آئے اور ان کے ساتھ یونانی لفظ بھی ملکی زبان میں داخل ہوئے۔ پھر تاتاری آئے کچھ ان کی زبان

کا اثر ہوا۔ اس کے بعد عربوں نے حملہ کیا اور سندھ میں عرصہ تک حکومت کی۔ اس لئے ان کی زبان کے بہت سے الفاظ پراکرت میں شامل ہو گئے۔ پھر محمود غزنوی اور غوری آئے جن کی فوج میں مختلف ملکوں کے لوگ شامل تھے۔ اس طرح فارسی اور ترکی زبان کے الفاظ بھی ملک کی پراکرت میں کھل چل گئے۔

ہندوستان پر جو حملے ہوئے وہ درہ خیبر کی طرف سے ہوئے۔ اور حملہ آور سب سے پہلے پنجاب کو اٹھتے ہوئے اکثر دلی، اجمیر، قنوج اور کالنجہ میں پہنچ کر دم بیا کرتے تھے جو اُس زمانے کے مشہور دارالسلطنت تھے۔ اس لئے سندھ، پنجاب اور برج کی زبان پر حملہ کرنے والوں کی زبان کا زیادہ اثر ہوا۔ وہ فرقے جو تاب مقاومت نہ لائے اور جتوئی ہند کی طرف منتقل ہوتے چلے گئے ان کی زبانوں میں بیرونی زبانوں کی آمیزش شمالی ہند کی زبانوں سے نسبتاً کم ہوئی اور اسی لئے تامل، ٹیلیگو، ملایالم اور کنیری زبان میں فارسی، عربی، ترکی الفاظ خال خال ہیں۔

اس اثر اور میل سے ایک ایسی زبان تمام زبانوں سے الگ کھلک بنتی چلی جا رہی تھی جو ہر صوبہ اور ہندوستان کے ہر حصہ میں سمجھتے سمجھانے کا ذریعہ تھی۔ اس زمانہ میں یہ زبان ہندوستانی۔ ہندی یا ہندوی کہلاتی تھی، یہ جان لیتا بہت ضروری ہے کہ ہندی سے ہمارا کیا مطلب ہے۔ کیونکہ عموماً یہ لفظ مشکوک معنی میں مستعمل ہے۔ ہندی سے اکثر وہ زبانیں مراد لی جاتی ہیں جو تمام شمالی ہند میں سندھ اور پنجاب سے لے کر بنگال تک بولی

جاتی ہیں، لیکن یہ خیال محقق السنہ سر جارج گریلسن کے نزدیک صحیح نہیں۔ انھوں نے اپنی تحقیق سے یہ بات ثابت کی ہے کہ حقیقتاً وہ زبانیں جو ان حدود میں بولی جاتی ہیں چار ہیں:۔

(۱) راجستھانی - (۲) پچیمی ہندی - (۳) پوربی ہندی - (۴) اور ہاری۔

علاوہ بریں ہندی سے اکثر وہ دقیق ہندی (ہائی ہندی) مراد لی جاتی ہے جو اردو کے مقابلہ میں استعمال کی جاتی ہے۔ بہر حال دقیق ہندی اور اردو دونوں کچھی ہندی کی بیٹیاں ہیں۔ جیسا کہ آئندہ صفحات سے ظاہر ہوگا۔

یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان چار زبانوں کا ذکر جس سے ہندی مراد لی جاتی ہے ذرا تفصیل سے کر دیا جائے۔

(۱) راجستھانی | یہ زبان راجستھان کی ہے۔ راجستھان سے مراد تمام راجپوتانہ ممالک متوسط کامغربی حصہ اور پنجاب کا جنوبی حصہ ہے۔ اس کے مشرق میں برج بھاشا اور ہندی۔ جنوب میں ہندی۔ مرہٹی۔ کھلی۔ خاندیشی اور گجراتی مغرب میں سندھی اور کچھی پنجابی اور شمال میں کچھی پنجابی اور بانگڑ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ جن مقامات پر اس وقت پنجابی گجراتی اور راجستھانی زبانیں رائج ہیں وہاں پہلے ملی خلی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ جنھیں بہ رنگ بھاشا کہتے ہیں۔ لیکن جب ان زبانوں نے اپنے کو میل جول سے

علحدہ کر لیا اور اپنی اصلی صورت میں آگئیں تو وہ انت رنگ بھاشا
 असरंग کہلائیں۔ باوجودیکہ راجستھانی انت رنگ بھاشا ہے لیکن
 اس میں اکثر ہرنگ بھاشا کے الفاظ ملتے ہیں۔ اس بات کا ثبوت کہ
 انت رنگ بھاشا ہے ہرنگ بھاشا کو لپکا کر کے اپنا قبضہ جمایا اس امر سے ہوتا ہے
 کہ شمالی ہند کے قدیم باشندے پانچال آریہ تھے۔ ان کی بھاشا
 ہرنگ تھی۔ اس کے بعد وہ آریہ شمالی ہند میں آئے جن کی زبان انت
 رنگ تھی۔ یہ آریہ غالب ہوئے اور وہ مغلوب اور اس طرح سے
 ہرنگ بھاشا بولنے والے آریہ پس پا ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ
 وہ گجرات کے قریب ساحل تک پہنچ گئے۔ دوسری طرف گنگا کے
 دو آبہ تک ان کا تعاقب کر کے ان کو کھٹا دیا گیا۔ اس طرح سے یہ زبان
 گنگا کے دو آبہ سے گجرات تک پھیل گئی۔ سر جارج گریسن کی تحقیق
 کے مطابق بارھویں صدی میں راجگان راکھور قنوج سے مارواڑ میں
 جا بسے۔ جے پور کے پکھوال اور پنجاب کے چھوٹے راجگان راجپوتانہ
 منتقل ہو گئے۔ متھرا سے یادو **मादव** فرقہ کے لوگ بھی گجرات منتقل
 ہو گئے یہ سب راجستھانی بولتے تھے۔

راجستھانی زبان کی جا بولنے والی بھاشا ہیں۔ مارواڑی۔
 جے پوری۔ میواتی اور مالوی۔ مارواڑی بھاشا کا ”قدیم ادب“
 ڈنگل یا پنگل کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں کے رہنے والوں میں
 سے جو برج بھاشا میں شاعری کرتے تھے ان کی بھاشا پنگل

کھلاتی تھی۔

جے پوری میں بھی ادبی ذخیرہ موجود ہے۔ دادو دیال اور ان کے شاگردوں کی بانی اسی زبان میں ہیں۔

میواتی اور مالوی میں کسی قسم کا ادبی کارنامہ موجود نہیں ہے۔ ان زبانوں کی بولیوں کی بناوٹ کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جے پوری مارواڑی سے۔ میواتی برج بھاشا سے۔ مالوی بندیلیکھنڈی سے بہت ملتی جلتی ہے۔ راجستھانی بھاشا گجراتی زبان سے بہت کچھ متاثر نظر آتی ہے۔

یہ زبان مغرب میں سرہند سے لے کر

مشرق میں پریاگ تک اور شمال میں

(۲) پچھلی ہندی

ہمالیہ کی ترائی سے لے کر جنوب میں بندیلیکھنڈ اور مالک متوسط کے شمالی حصہ تک بولی جاتی ہے۔ یہی زبان شمالی ہند کی ادبی زبان ہے۔ روہیلکھنڈ میں پہنچ کر اس زبان کا نام قنوجی ہو جاتا ہے اور انبالے سے آگے بڑھ کر یہی زبان پنجابی کہلاتی ہے اور گورگاؤں کے جنوب و مشرق میں اس کا نام برج بھاشا ہو جاتا ہے۔ اسی زبان کو ہندوؤں نے ہندی۔ مسلمانوں نے اردو اور انگریزوں نے ہندوستانی کہا۔ مگر بعض تذکرہ نویسوں کا نظریہ ہے کہ اس زبان کا نام ہندوستانی برٹش گورنمنٹ کا دیا ہوا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس زبان کا بہت پرانا نام ہے جو اس زمانے میں پھر دہرایا جانے لگا۔ زمانہ قدیم میں

ہندی سے مراد اردو ہی تھی اور اس کے ہندی-ہندوی اور
ہندوستانی نام کھے جیسا کہ مندرجہ ذیل اشلہ سے ثابت ہوگا:۔
ملاو جھی اپنی کتاب سرب رس جو ۱۰۲۵ھ کے لگ بھگ
کی لکھی ہوئی ہے لکھتے ہیں۔

”آغاز داستان زبان ہندوستان نقل ایک شہر کھا جس کا ناؤں
سیستان“

شمس العشاق المستولی اپنے رسالہ خوش نغز میں جو ۹۰۲ھ
کا لکھا ہوا ہے لکھتے ہیں۔

”میں عربی بولوں کیر سے اور فارسی بھیوتر سے۔ یہ ہندی بولو
سب اس ارکھوں کے بسبب“

میر تقی میر اپنی مثنوی خواب و خیال میں جو ۱۱۵۳ھ میں لکھی
گئی، لکھتے ہیں۔

فارسی سوں ہیں ہندی سوں ہیں باقی اشعار مثنوی سوں ہیں
مولوی خرم علی نے اپنی کتاب نصیحت المسلمین میں جو ۱۲۳۵ھ
کی تصنیف ہے، لکھا ہے:۔

”بندہ خرم علی کہے جی میں آیا کہ آیا اس شرک کی برائی قرآن شریف
سے ثابت کیجئے اور سہریت کا ترجمہ زبان ہندی میں صاف صاف کیجئے“
مصنف ”نور نامہ“ نے بھی اس زبان کو ہندی ہی کہا ہے:۔
زبان عرب میں یہ کھا سب کلام کیا لظہ ہندی میں میں نے تمام

لیکن مسلمانوں نے اپنی حکومت میں اسی زبان کا نام رنجیت رکھا۔ امثلہ۔

تو نے وہ سودا زبان رنجیت ایجاد کی ^{سودا} پڑھ کے اِک عالم اٹھا تا ہے ترے اشعارِ فیض

گفتگو رنجیت میں ہم سے نہ کر ^{میر} یہ ہماری زبان ہے پیارے ^{غالب}

رنجیت کے کچھیں استادمیں ہو غالب کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

اس رنجیت اور اس زمانہ کی ہندی میں فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں فارسی اور عربی الفاظ کی بہتات ہے۔ اہل ہندو اپنے مذہبی تعصب کی وجہ سے اولاً فارسی یا عربی کو ملکش بھاگھا (मलकश भाषा) کہتے تھے۔ اور

اسے سیکھنا نہ چاہتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ خیال ان کے دل سے نکل گیا۔ اکھنوں نے ہندی اور سنسکرت کے علاوہ اُردو اور فارسی میں کافی مہارت حاصل کی اور مسلمانوں نے بھی بھاشا میں اپنا سکہ جمایا البرونی عبد الرحیم خان خانان، برہن خاں، ملک محمد جالشی وغیرہم کا نام اس مادہ میں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

پچھلی ہندی کی دیسی بھاگھائیں (۱) برج بھاشا (۲) قنوجی (۳) بنگار و اور (۴) بندیلی ہیں۔

برج بھاشا | پچھلی ہندی کی وہ زبان جو اٹا وہ، مستحضر، آکرہ اور خاص برج میں رائج تھی برج بھاشا

کہلاتی تھی۔ یہ انت زنگ کی خاص بھاشاؤں میں سے ہے۔ اسے سورسینی۔
 پر اکرت اور سورسینی آیا بہر نش کی وراثت سمجھنا مناسب ہوگا۔ اس کا خاص
 وطن برج منڈل سے مگر یہ زبان جنوب میں آگرہ۔ بھرت پور۔ دھولپور اور
 کرولی کی سرحد تک۔ گوالیار کی مغربی سرحد تک جے پور کی مشرقی سرحد تک
 اور شمال میں ضلع گورگاؤں کی مشرقی سرحد تک اور شمال و مشرق میں اضلاع
 بلیت شہر۔ علی گڑھ۔ ایٹہ۔ مین پوری۔ بدایوں۔ بریلی میں ہوتے ہوئے
 تینی تال کے نشیبی حصہ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا صدر مقام متھرا
 ہے جہاں کی زبان ٹکسالی بھی جاتی ہے۔ جنوب و مغرب میں آگرہ سے
 آگے بڑھ کر یہ راجستھانی کہلاتی ہے۔ اس زبان کے ادبی کارنامے ادھی
 سے بھی زیادہ مفید اور جاذب نظر ہیں۔ شمالی ہند کے مشہور شعراء نے
 اسی زبان میں چارپانچ صدی تک شاعری کی ہے۔ سورداکس۔
 تلمسی داکس۔ بہاری لال وغیرہ۔ ایسی ہستیاں ہیں جن کو ان کے لازوال
 کلام نے ہمیشگی کی زندگی عطا کر دی ہے۔

یہ زبان اٹاواہ اور پیریاگ کے درمیانی حصہ میں رائج
 قنوجی ہے۔ اس کے علاوہ اضلاع ہردوئی اور کوتاؤ کے کچھ
 حصہ میں بھی بولی جاتی ہے۔ اسے برج بھاشا ہی کی بگڑی ہوئی شکل
 کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس میں ادبی کارنامے خال خال ہیں۔
 خطہ میں یہ زبان رائج ہے وہاں کے ادباً نے شاعری کے لئے
 برج بھاشا زبان ہی اختیار کی۔

ہندیلی

یہ زبان ہندیکھنڈ اور اس کے گرد و نواح کے اضلاع
 جھالشی۔ جالون۔ ہمیر پور اور مالک متوسط کے چند
 اضلاع میں بولی جاتی ہے۔ ضلع باندہ کی بولی ہندیلی کے بجائے بھیلی
 ہے۔ اس کے مشرق میں پوربی ہندی کی بھیلی زبان۔ شمال و مغرب
 میں برج بھاشا اور جنوب و مغرب میں راجستھانی اور جنوب میں مرہٹی
 زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ریاست پٹنا کے مہاراجہ چھتر سال کے زمانہ سے
 ہی اس زبان میں ادبی کارنامے پائے جاتے ہیں۔ آہا کھانڈیا آہا
 اودل اس زبان کے ادب کا بہترین نمونہ ہے۔ لیکن اس کی مستند نقل
 تحریری صورت میں موجود نہیں۔ یہ نظم لوگوں کو زبانی یاد ہے۔ خصوصاً
 جہلا کو اس لئے و نوق کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اپنے اہل روپ
 میں ہے۔ گانے والوں نے اس نظم کو اپنے مقامی زبان اور ضروریات
 کے مطابق اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔ اس خطبہ کا رہنے والا
 کیشو داس ایک مستند شاعر گذرا ہے۔ اس کی نظموں میں ہندیلی
 زبان کو بہت کچھ دخل ہے۔ یہ زبان برج بھاشا اور قنوجی سے بہت
 ملتی جلتی ہے۔ اس میں بھی ہندی کے بہت سے الفاظ شامل ہو گئے ہیں۔

یہ زبان بہرنگ اور انت رنگ کے اختلاط و
 رد و بدل سے پیدا ہوئی۔ یہ بھیلکھنڈ۔

پوربی ہندی

ہندیکھنڈ۔ چھوٹا ناگپور اور مدھ پردیش کے کچھ حصہ میں بولی جاتی
 ہے۔ اودھی بھیلی اور چھتیس گڑھی اس کی دیسی بھاشائیں ہیں۔

جن کا قاطع ملط اس زبان میں زیادہ ہے۔ بگھیل اور اودھی میں خفیف فرق ہے۔ لیکن چھتیس گڑھی، مرہٹی اور اڑیا سے متاثر نظر آتی ہے۔ اس لئے یہ بھاکھا، بگھیل اور اودھی سے بہت مختلف ہے۔

بگھیل زبان مدھ پردیش کے مشرق بند لکھنڈ، بگھیل کھنڈ، جبل پور، مانڈے اور باندہ میں رائج ہے۔ اودھی۔ جہنا کے کنارے ضلع فتح پور۔ الہ آباد کے جنوب میں بولی جاتی ہے۔ چھتیس گڑھ اور اس کے قرب و جوار کی ریاستوں میں یعنی اودھے پور، کورائی وغیرہ۔ ان امور پر غور کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یورپی ہندی شمال میں نیپال کی ترائی سے لے کر جنوب میں ریاست بستر تک رائج ہے۔ بمقابلہ شمال و جنوب کے مشرق و مغرب میں اس کا استعمال کم ہے۔ اس کی ادبی زبان اودھی ہے جو ابودھیا میں بولی جاتی ہے۔

یہ زبان تمام بنگال۔ بہار۔ اتر پردیش کے مشرقی سرحدی **بھاری** اضلاع میں بولی جاتی ہے۔ چھوٹا ناگپور میں بھی یہی زبان رائج ہے۔ بنگالی اور اڑیا زبانوں کی طرح بھاری بھی ماگدھی سے نکلی ہے۔ لیکن اس کا شمار ہندی زبان میں ہی کیا جاتا ہے۔ بھاری بھاشا کی تین دسی بھاکھائیں ہیں:۔

(۱) میٹھلی۔ (۲) مکھئی۔ (۳) کھوجپوری۔

یہ زبان ترہٹ اور اس کے گرد و نواح میں بولی جاتی ہے۔ لیکن وہ اس کا دیہاتی رخ ہے۔ اس کی شہری صورت **میٹھلی**

درجہ نگہ میں ملتی ہے۔ یہ بہاری کی ادبی زبان بھی ہے۔ قدیم زبان کے جتنے الفاظ زمانہ کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ہم تک پہنچے ہیں ان کا ذریعہ یہی زبان ہے۔ اس کے شعرا میں ٹھاکرود یا پتی نہایت مشہور گذرے ہیں جن کی نظموں کا پایہ اب تک بہت بلند خیال کیا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں ہندی زبان کے الفاظ کثرت سے استعمال کئے ہیں۔ یہ اس خطہ میں بولی جاتی ہے جہاں پہلے مگھلا کی سلطنت تھی اور اس طرح سے اس کو اس قدیم سلطنت کی یادگار سمجھنا چاہئے۔

مگھئی | جنوبی بہار اور ضلع ہزاری بارہ کی زبان مگھئی کہلاتی ہے۔ زمانہ قدیم میں اس خطہ کو مگدھ دیش کہتے تھے۔ اس زبان کا کوئی ادبی کارنامہ موجود نہیں۔

بھوجپوری | یہ زبان شاہ آباد اور اس کے گرد و نواح میں بولی جاتی ہے۔ بہار اور مشرقی اضلاع اتر پردیش۔ بالہاسٹو۔ راجی۔ اعظم گڑھ میں بھی رائج ہے۔ لیکن کچھ بگڑی ہوئی صورت میں۔ بھوجپوری زبان کی تین قسمیں بھی بعض شجرہ نویسوں نے بتائی ہیں۔ شدھ بھوجپوری۔ بھیم بھوجپوری اور ناگیور۔ یہ اتر پردیش والے بھیم بھوجپوری کو پوری کہتے ہیں جو نہایت شیریں اور ترنم آمیز ہے۔

شمالی ہند کی مختلف زبانوں کی دیسی بھاگھاؤں کا ذکر کرتے ہوئے

یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کھڑی بولی کا بھی تذکرہ کر دیا جائے کیونکہ ہندی ادب کے جدید کارنامے نظم و نثر دونوں اسی زبان میں ہیں۔

اس زبان کی تاریخ نہایت دلچسپ ہے۔ یہ بھاشا کھڑی بولی میرٹھ کے گرد و نواح میں رائج ہے۔ اول اول یہ انھیں

حدود میں بولی جاتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ تمام شمالی ہند میں پھیل گئی لیکن مختلف صوبوں میں اس کی صورت بدلتی گئی۔ کیونکہ وہاں کی دسی بھاشا سے متاثر ہوتی گئی۔ یہ اسی وقت پیدا ہوئی تھی جب کہ دہلی میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی۔ ہندو اور مسلمانوں کے اختلاط سے یہ زبان پیدا ہوئی۔ مسلمانوں نے اس زبان کو اپنا لیا لیکن یہ کام ایک دن کا نہ تھا۔ رفتہ رفتہ کھڑی بولی میں ترکی فارسی اور دیگر زبانوں کے الفاظ خود بخود شامل ہوتے گئے۔ پہلے یہ بھاشا باز آرو بولی تھی جو آہستہ آہستہ شددھ گئی۔ ایک عرصہ تک یہ نیل جول جاری رہا۔ کچھ عرصہ بعد مسلمانوں نے فارسی و عربی کے الفاظ زیادہ کئے اور صرف و نحو اور افعال کی ترکیب بھی اسی نہج پر کرنا چاہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل ہندو نے اسے سنسکرت ویاکرن کے مطابق طو حالنا شروع کیا اور فارسی و عربی الفاظ کی جگہ سنسکرت الفاظ کی آمیزش کی۔ اس طرح سے اس ایک زبان کی تین شاخیں ہو گئیں۔ (۱) شددھ ہندی جو ہندوؤں کی ادبی زبان ہے اور صرف انھیں میں رائج ہے۔ (۲) اردو جو مسلمانوں اور تقریباً ساٹھ فیصدی ہندوؤں کی ادبی زبان ہے اور ان کے گھروں

میں عام بول چال کی زبان ہے۔ (۳) ہندوستانی جس میں ہندی، اردو دونوں کے الفاظ شامل ہیں۔ اس زبان میں ابھی ادبی کارنامے نہیں ہیں۔ اور ہیں بھی تو برائے نام۔ یہ تیسری شاخ سیاسی اعراض کے ماتحت وجود میں لائی گئی ہے۔

کھڑی بولی کی ابتداء کے متعلق بعض ادیبوں کا خیال ہے کہ کھڑی بولی برج بھاشا سے نکلی ہے۔ ہندی ساہتہ سمیلن کے صدر نے بھی اپنے ۱۹۲۹ء کے جلسہ میں اس خیال سے اتفاق کیا ہے۔ اُن کی رائے ہے کہ مسلمانوں کے اثر سے اس میں ہر قسم کے الفاظ داخل ہو گئے اور اس کی موجودہ صورت اسی اختلاط کا نتیجہ ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل وجوہ سے اس قول کی صداقت ثابت نہیں ہوتی۔

(۱) اگر اس زبان کی اصل برج بھاشا ہے تو اس میں برج بھاشا کی طرح گیو۔ پیارو۔ گھوڑو کے الفاظ جو اُسے سورسینی سے وراثت میں ملے ہیں، مستعمل ہوتے۔ لیکن کھڑی بولی میں گھوڑو کے بجائے گھوڑا گیو کے بجائے گیا اور پیارو کے بجائے پیارا استعمال ہوتا ہے۔

(۲) کھڑی بولی اسی وقت سے رائج ہے جب سے اودھی یا برج بھاشا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ برج بھاشا کی ادبی ترتیب پہلے ہوئی اور زمانہ قدیم سے اس کی تشکیل ہو گئی اور کھڑی بولی اب ادبی زبان بنی ہے۔ پہلے کھڑی بولی صرف بول چال میں استعمال ہوتی تھی۔ مسلمانوں نے اُسے اپنا یا ابرا سے ادبی زبان بنانے کا فخر انھیں ہی حاصل ہے۔

کھڑی بولی کا سب سے قدیم نمونہ نامد کیو کی شاعری میں ملتا ہے۔
 بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ شاعری جو نامد کیو کی بتائی جاتی ہے اس
 کی نہیں ہے۔ اگر اس خیال کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی کھڑی بولی کا سب
 سے پہلا شاعر ادیر خسرو ہو سکتا ہے جس کا زمانہ ۱۲۵۶ء تا ۱۳۲۵ء تھا۔
 خسرو نے عربی فارسی الفاظ کے شمول سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق
 بڑھایا۔ اسی مقصد سے ”خالق باری“ لکھی جس کے لاکھوں دستی نسخے اونٹوں
 پر لا کر ملک میں تقسیم ہوئے۔ اس بنا پر ادیر خسرو کو کھڑی بولی کا سب
 سے پہلا شاعر کہہ سکتے ہیں۔ اس زبان کے دیگر شعراء میں عبدالحق خاں
 خاناں بھی ہیں۔ ان کی کتاب ”مدن آشک“ (مہناشک) کھڑی بولی
 کا بہترین نمونہ ہے۔ کبیر۔ نانک۔ دادو دیال اور صفوی شعراء نے بھی
 کھڑی بولی میں شاعری کی ہے۔ بھوشن نے شیوا بادی (شیوا بادی) (شیوا بادی)
 میں بھی اکثر اس زبان کا استعمال کیا ہے۔

نامدے

अभिचंतर काला रहै बाहेर करै उजाम ।

नाम कहै हरि भगति विनु निहचै नरक निवास ।

ابھے انتر کالا رہے باہر کرے اُجاس نام کہے ہر کھگت بن پیچے نرک نو اس
 (نامدے)

یعنی جس کا باطن سیاہ ہو اور ظاہر روشن ہو۔
 رام شاعر کہتے ہیں کہ ایسا شخص بغیر کھگت کے دوزخ میں جگہ پاتا ہے۔

امیر خسرو

آدی کٹے سے سب کو پالے | مध्य کٹے سے سب کو ڈالے ॥
 آخر کٹے سے سب کو مٹا | سو خسرو میں آؤں ڈیٹا ॥

(امیر خسرو)

آدی کٹے سے سب کو پالے مدھیہ کٹے سے سب کو گھالے
 انت کٹے سے سب کو مٹھا سو خسرو میں آنکھوں دیکھا
 آدی = بمعنی شروع
 مدھیہ = بمعنی درمیان
 انت = آخر
 پہیلی کا جواب کا جمل ہے۔

(نوٹ)

چونکہ امیر خسرو کی ہندی شاعری کی مثالیں اردو کتابوں میں اکثر
 دی ہوئی ہیں اس لئے زیادہ نمونے نہیں دئے گئے۔

भृपग

एते ह्यथी दीनं माल मकरन्द जू के,
 नन्द जेत गनि न सकति विरंचिहू की तिया ।
 भृपन भनत जाकी साहिबी मभा के देखे,
 लागें मव और छिनिपाल छिति में छिया ॥
 साहस अपार हिन्दुवान को अधार धीर,
 सकल सिमोदिया सपूत कूल को दिया ।
 जाहिर जहान भयो साह जू गुमान चोर,
 साहिन की मरन सिपाहिन की तकिषा ।

ایتے ہاتھی دینے مال مکوند جو کے نذر جیتے گن اسکت بریچ ہو کی نتریا
 بہو منشتر ہمت جاک صا جی سہل کے دیکھے لاگین سب ادر چیت پال چیت میں چھیا
 ساہس ایا ر ہندو آن کو ادھار دھیر سکل سسودیا۔ سپوت کل کو دیا
 جاہر جہان ہیو ساہ جو کہاں بیر ساہن کو ترن سپاہین کو تکیا

نذر = لڑکا بریچ کی تیا = یعنی سرسوت دیوی چھیا = کم ہونا
 بریچ = ہر ہما چھت پال = راجہ سپاہین = ہمت
 تیا = عورت چھت = زمین ترن = پناہ

ترجمہ۔ ماں مکوند کے لڑکے نے اتنے ہاتھی خیرات کئے کہ سرسوت
 بھی شمار نہیں کر سکتی۔

بہو منشتر شاعر کہتا ہے کہ بادشاہ کا دبدرہ دیکھنے سے ملک کے
 دیگر راجہ نہایت کمزور اور مختصر معلوم ہوتے ہیں۔ ممدوح عالی ہمت اور
 ہندوؤں کا سہارا ہے اور سسودیا خاندان کا چراغ ہے۔ یہ بات جہان
 میں ظاہر ہے کہ وہ شاہیوں کو پناہ دینے والا ہے اور سپاہیوں کے
 لئے مددگار ہے۔

جاہر = ظاہر فارسی

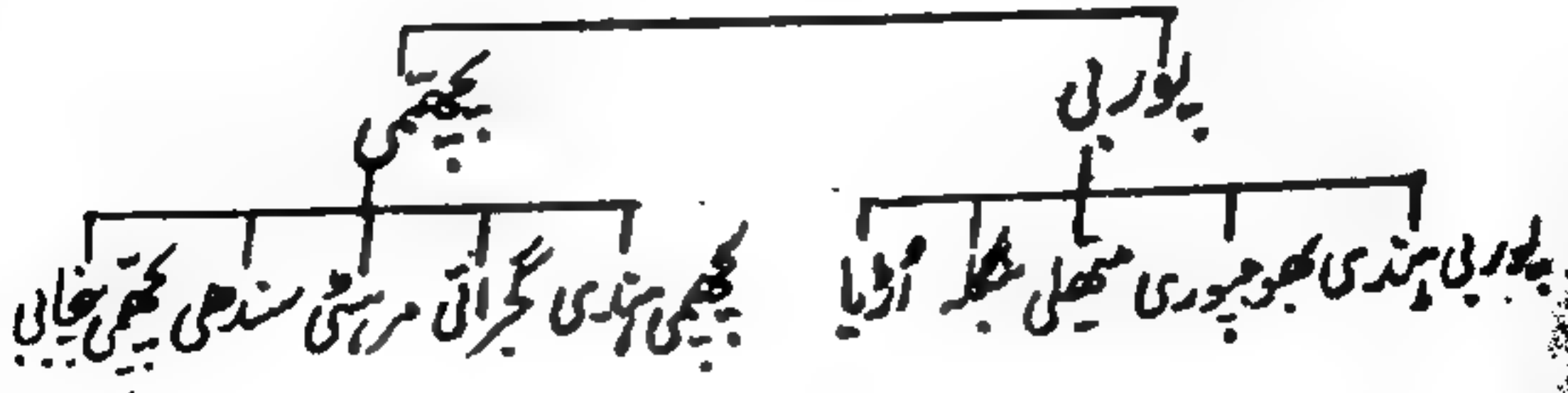
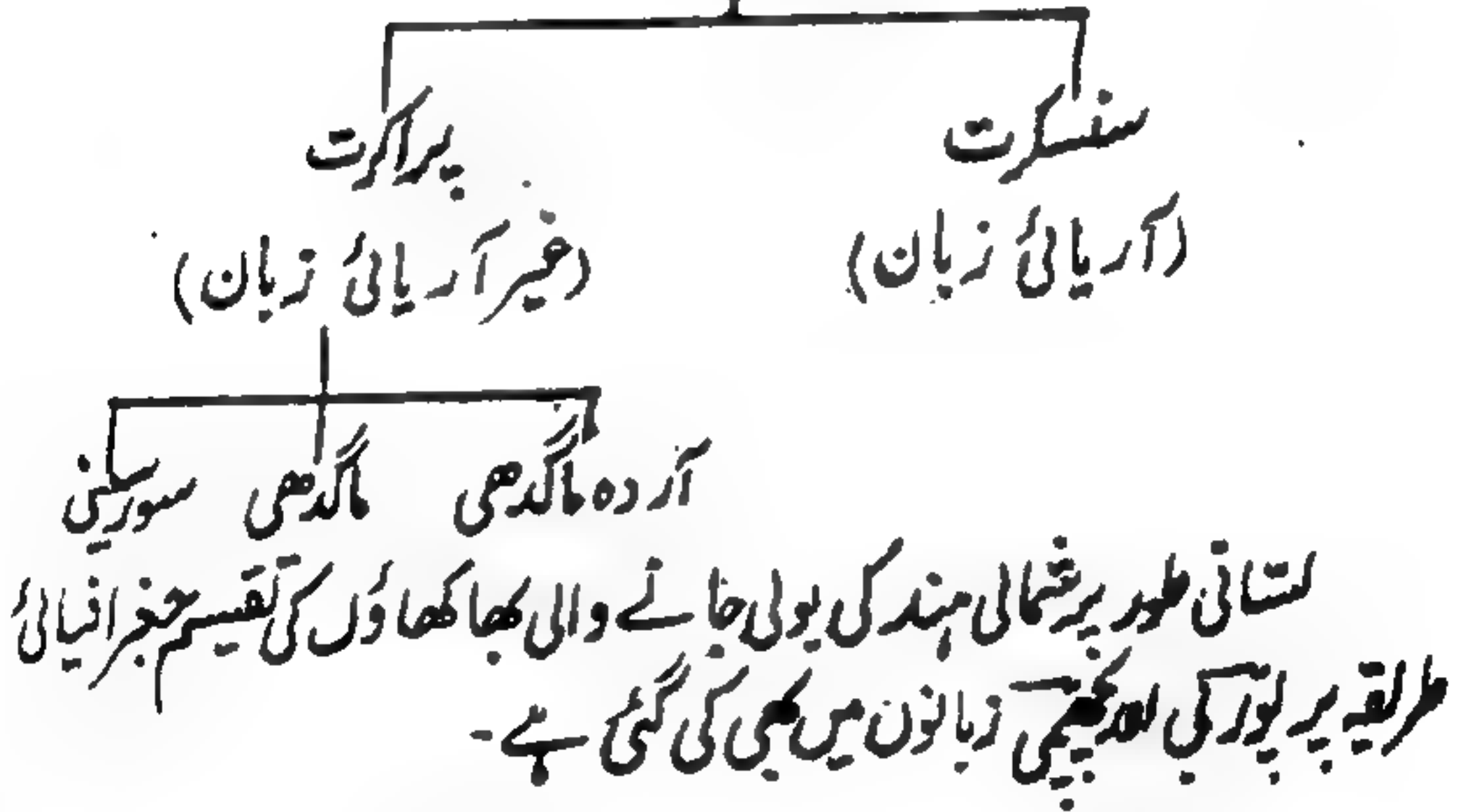
جہاں = فارسی

تکیہ = ترکی

ملت کشوری اور سیٹل کو بھی ۱۲۳۷ء میں کھڑی بولی کے اچھے
 شاعر ہوئے ہیں۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کھڑی بولی اپنی کرسنگی کی وجہ سے

شاعری کے لئے شعوزوں نہ ہوگی، کیونکہ اس کے لئے زبان نہایت ترنم آئینہ اور لہجہ آزاد ہونا چاہئے۔ مگر ان شعرا نے اس خیال کو غلط ثابت کر دکھایا۔ ان کی شاعری ترنم اور شیرینی سے لبریز ہے۔
 ان امور سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کھڑی بولی کا وجود تیسرے صدی بکری میں ہو چکا تھا۔ البتہ ادبی کارنامے بہت بعد کی پیداوار ہیں۔

بعض محققین زبان نے شمالی ہند کی لسانی تقسیم یوں کی ہے۔
 وید بھاشا (رگ وید)



ان کا فرق مندرجہ ذیل مثال سے واضح ہو جائے گا۔

چھٹی ہندی = میں نے پوکھی پڑھی	پوری ہندی = میں پوکھی پڑھیوں
گرائی = میں پوکھی باجی	کھوجو ہندی = ہم پوکھی پڑھیں
مرہٹی = میں پوکھی واپلی	مستقل = ہم پوکھی پڑھیں
سندھی = میں پوکھی پڑھا	بنگلہ = اسی پوکھی پڑھا
پچھمی پنجابی = میں پوکھی پڑی	اڑیا = آئے پوکھی پڑھا

پوری ہندی = میں پوکھی پڑھیوں

کھوجو ہندی = ہم پوکھی پڑھیں

مستقل = ہم پوکھی پڑھیں

بنگلہ = اسی پوکھی پڑھا

اڑیا = آئے پوکھی پڑھا

پچھمی پنجابی = میں پوکھی پڑی

مرہٹی = میں پوکھی واپلی

گرائی = میں پوکھی باجی

چھٹی ہندی = میں نے پوکھی پڑھی

پوری ہندی = میں پوکھی پڑھیوں

کھوجو ہندی = ہم پوکھی پڑھیں

مستقل = ہم پوکھی پڑھیں

بنگلہ = اسی پوکھی پڑھا

اڑیا = آئے پوکھی پڑھا

پچھمی پنجابی = میں پوکھی پڑی

مرہٹی = میں پوکھی واپلی

ہندی ادب کا سرسری جائزہ

ہندوؤں کی سلطنت کے زوال اور مسلمانوں کی فتوحات کے زمانہ میں ہندوستان میں ایک عرصہ تک افراتفری رہی۔ اس لئے واقعات کا تاریخ سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کی فتوحات اور ان کے قیام سلطنت سے پھر مسلسل تاریخی واقعات دستیاب ہوتے ہیں۔ اس وقفے میں راجپوت قوم کے افراد نے چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کر لی تھیں جو ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہا کرتی تھیں لیکن جب مسلمانوں کے حملوں کو پس پا کر نے کا سوال پیدا ہوتا تھا، اُس وقت یہ حکومتیں ایک ہو جایا کرتی تھیں۔ گوکاویل، پنجاب اور سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا مگر حقیقی فتح ۱۰۰۰ء میں ہوئی جب کہ محمد غوری نے باقاعدہ حملے شروع کئے۔ ۱۱۹۱ء میں مسلمانوں کی ملک گیری دیکھتے ہوئے تمام ہندو راجہ اپنی مخالفتوں کو دور کر کے ایک ہو گئے اور اجمیر و دہلی کے چوہان راجہ پر بھٹوی راج یا رائے بھٹو رائے جمد و سیمان یا ندھ لیا۔ ہندوؤں کو پہلی بار تو ترائی کے میدان میں فتح ہوئی لیکن دوسرے ہی برس اُسی میدان میں شکست ہوئی۔ پھر بھٹوی راج گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ دہلی پر مسلمانوں کا قبضہ

ہو گیا اور مسلمانوں کے قدم برابر بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ محمد بن تغلق کے زمانہ میں مسلمانوں کی سلطنت کمال کو پہنچ گئی۔ باوجودیکہ ہندو حکومتیں ایک ایک کر کے معدوم ہوتی گئیں۔ لیکن بعض ایلات چوتھے اور پانچواں برابر مقاومت کرتے ہی رہے اور کبھی مطیع نہ ہوئے۔ بہت سی نئی حکومتیں بھی قائم ہو گئیں۔ شاہان وقت نے اکثر ان سے لڑنے کے بجائے دوستانہ تعلقات کو زیادہ مفید خیال کیا۔

یہ وہ زمانہ ہے جس میں ہندوستان کی موجودہ زبان تشکیل ہو کر تربیت پا رہی تھی۔ ہندوستان کی قدیم ترین زبان سب سے پہلی بھاٹوں (گویتے شعرا) کے تاریخی سوانح کی ہیئت میں ظاہر ہوئی۔ زمانہ کی پُر آشوبی اور ہنگامہ خیزی بادشاہوں کی قدر و منزلت اس قسم کی شاعری کے لئے زیادہ محرک ہوئی۔ اس وقت کی شاعری چونکہ تمام تہذیب خوانی اور زیب و آستان کے لئے ہوا کرتی تھی۔ اس لئے کوئی تاریخی اہمیت نہیں رکھتی۔ پھر بھی اس وقت کی شاعری ہندو مسلمانوں کے درمیان گھمسان لڑائیوں کے پُر جوش واقعات۔ بہادری اور جانبازی کا مزج ہے۔ اس زمانہ کا بڑا عظیم چاند برواں راجہ پرکھوی راج کا درباری شاعر تھا۔ جگ نایک چاند برواں کے ہم عصروں میں سے تھا۔ چودھویں صدی میں سارنگت دھر بھی ایک مشہور شاعر گذرا ہے۔ جس نے رتھ پھور کے راجہ ہارہمیر کی شجاعت کی نغمہ سراں کی ہے۔ اس کے بعد وہ زمانہ آتا ہے جب کہ اہل ہند پر مذہبی حیدر بہ دیکھ

جذبات پر فوقیت لے گیا تھا۔ راجندر جی کی پرستش اور ان کے
 کارناموں کو صلیب تحریر میں لانے کی خواہش نے بھی ہندی زبان کے
 مقبول عام ہونے اور روانہ جانے میں بہت مدد کی۔ اس وقت ایک
 دوسرا فرقہ اور بھی تھا جو کرشن کی پرستش کرتا تھا۔ یہ فرقے اور ان
 کی پرستشیں ہمیشہ سے ہندوستان میں عام رہی ہیں۔ مسلمانوں
 کی آمد اور ان کی تہذیب سے متاثر ہونے والا ایک فرقہ بھی تھا
 جس کا بانی کبیر ہوا ہے۔ اس کی تعلیم بت پرستی کے خلاف تھی۔ یہ
 متفرق تحریکیں ایک زبردست مذہبی تحریک کا پیش خیمہ تھیں۔
 اس زمانہ میں ادب کا تمام سرمایہ مذہبی شاعری تک محدود تھا۔
 یہ زمانہ پندرھویں صدی سے شروع ہوتا ہے۔ اس عہد کے مشہور
 شعراء نام دیو۔ کبیر۔ ودیا پتی۔ میرا بابی۔ ملک محمد جالسی ہیں۔ راجوٹا
 کے آخری گوتے۔ شاعروں نے اس وقت قلم اٹھایا جب زبان تشکل
 ہو رہی تھی اس لئے ان کے ادب میں اکثر پراکرت کے الفاظ ملتے
 ہیں۔ صحیح معنوں میں یہ زمانہ ہندی ادب کے بچپن کا زمانہ تھا لیکن
 شعرائے مابعد نے اپنے کلام میں قریب قریب وہی زبان اختیار کی
 ہے جسے آج کل کی زبان کہا جاسکتا ہے۔ اور چونکہ انھیں اس شاہراہ
 پر چلنے میں اولیت حاصل ہے اس لئے انھیں اپنا راستہ خود تلاش
 کرنا پڑا اور ایک نئی زبان بنانی پڑی جو ایک بڑی ماہم خدمت تھی۔
 ہندوستان کے ادب کا بہترین زمانہ سولھویں صدی کے وسط

سے شروع ہوتا ہے۔ شاہان مغلیہ نے نہ صرف ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی بلکہ اُدبا، فنکارانہ کمال و شوخی سے خیر مقدم کیا۔ اگرچہ جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانہ میں اسلامی حکومت کمال کو پہنچ چکی تھی اور یہی زمانہ ہندی ادب کا درخشاں زمانہ ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب کہ ادب میں زبان کی صفائی، استعارات، تشبیہات کا استعمال شروع ہوا اور شاعری کو مختلف صنائع و بدائع سے آراستہ کیا گیا۔ کیشو داس اور دوسرے شعراء نے اس میں بڑی کوشش کی۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ جس میں ہندی ادب کے مایہ ناز شعراء اور شاعر ہوئے مثلاً تلسی داس۔ سور داس۔ بہاری لال۔ تریا کھی بندھو۔ دیو کی۔ سینا پتی وغیرہ۔ اسی زمانہ میں سکھوں کا گرنہ بھی لکھا گیا اور بہت سے مذہبی فرقے قائم ہوئے جن میں مذہبی نظموں کا ایک کثیر سرمایہ موجود ہے۔ اچھاڑ مہویں صدی میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ ساتھ ہندی ادب کو بھی زوال ہوا۔ اسی وجہ سے اس صدی میں اچھے شعراء کا وجود نہیں ملتا جنہوں نے کوئی خاص شہرت حاصل کی ہو۔

انیسویں صدی کے شروع میں یورپین تہذیب سے متاثر ہو کر ہندی ادب نے ایک نیا راستہ اختیار کیا۔ سلطنت مغلیہ کے زوال اور مرہٹی طاقت کے کمزور ہوجانے سے انگریزی تہذیب ہندوستان میں روز افزوں تر تھی کرنے لگی۔ ہندوستانی ادب بھی اس سے متاثر ہوا اور ادب میں جدید تبدیلیاں ہونا شروع

ہوئیں جو اب تک جاری ہیں۔ ہندی میں نظم کے ساتھ ساتھ نثر کی بنا پڑی۔
 لگوئی لالہ جی ہندی نثر کی داغ بیل ڈالی اور ایک ادبی زبان
 پیدا کی۔ کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا جس میں بہت سی کتابوں
 کا ہندی میں ترجمہ ہوا۔ چھاپہ خانوں کی ایجاد سے بھی ہندی ادب
 کی توسیع میں آسانی ہوئی۔ ہریش چندر نے ہندی نظم کو نئے سانچے
 میں ڈھالا اور از سر نو زندہ کیا۔ ہندی کے اخبار و رسائل جاری ہوئے۔
 لغت ترمیم دے گئے۔ تصنیف و تالیف ہونے لگی۔ غرضیکہ ہندی
 زبان کا سرمایہ اب اتنا ہے کہ اسے کسی ادبی زبان کے پہلو پہلو سمٹایا
 جاسکتا ہے۔



ہندی ادب کے ادوار

ہندی تذکرہ نویسوں نے ہندی ادب کے چار دور قائم کئے ہیں:-
 پہلا دور۔ ویرگاکھا کال (ادکال)۔ سنہ ۶۹۹ء تا ۱۳۱۹ء۔
 دوسرا دور۔ بھگتی کال (یور وید کال)۔ سنہ ۱۳۱۹ء تا ۱۶۴۴ء۔
 تیسرا دور۔ ریت کال (فرہ کال)۔ سنہ ۱۶۴۴ء تا ۱۸۴۴ء۔
 چوتھا دور۔ گد کال (درتھان)۔ سنہ ۱۸۴۴ء تا حال۔
 یہ تقسیم مناسب ہے اس لئے یہی اختیار کی گئی ہے۔

پہلا دور ویرگاکھا کال یا ادکال

ویر سے بہادر اور گاکھا سے تاریخ مراد ہے۔ اس طور سے
 ویرگاکھا کال سے مراد بہادروں کی تاریخ کے زمانے سے ہے۔ یہ
 وہ زمانہ ہے جب کہ ہندوستان بیرون حملوں کا پے در پے شکار ہو رہا
 تھا اور اسے مختلف اقوام نے گھوڑ دوڑ کا میدان بنا رکھا تھا۔
 آئے دن کے حملوں اور روز کی جنگوں کی وجہ سے وہ شجاعت جو

اس وقت کے باشندوں میں کتنی اب مفقود ہے۔ راجپوت راجاؤں کے دربار میں بھالوں (گویتے شاعروں) کا وجود زمانہ قدیم سے ملتا ہے جن کا کام صرف یہ تھا کہ وہ اپنے آقا کی بہادری کے افسانے سنائیں اور ایسے اشعار پڑھیں جن میں سن کر انسان بہادری کی طرف متل ہو۔ اسی لئے اس وقت کی شاعری زیادہ تر شجاعت اور بہادری کے نغموں سے لبریز ہے۔

یہی وہ زمانہ ہے جب کہ ہندی زبان ایاہر نش سے وجود میں آ رہی تھی۔ اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ ہندی شاعری کی پرورش پہلے پہل میدان جنگ میں ہوئی۔ اس واسطے اس نوع کی زبان سے جو ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکلے، وہ شجاعت سے خالی نہ تھے۔ اس وقت چونکہ لوگوں کا خیال زیادہ تر لڑائیوں کی طرف متل تھا۔ اس لئے شعراء کے خیالات کا بھی کسی اور طرف جانا ممکن ہی نہ تھا۔ تمام شعراء صرف شجاعت اور بہادری کے نغمے ہی گاتے تھے۔ اگر کسی شاعر نے اپنی فکر کسی اور طرف کی تو وہ زور قبول سے آراستہ نہ ہوں۔ کیونکہ اس وقت صرف شجاعت ہی باعث توجہ تھی۔ انھیں وجہ سے اس زمانہ کے شعراء کا کلام شجاعت۔ دلیری اور بہادری کے جذبات و مضامین سے لبریز ہے۔ اسی لئے اس زمانہ کو ویر گا تھا کال سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اس دور کے کلام کو بغور دیکھا جائے تو کمیں کمیں شجاعت اور بہادری کے ذکر کے ساتھ ساتھ عشقیہ مضامین بھی ملتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر

لڑائیاں عورتوں کی خاطر ہوئیں اور خاص صفت نازک کے حسن کی تعریف
کئے بغیر اپنی نظم کو دلکش نہیں بنا سکتا تھا۔ اس لئے کہیں کہیں شعراء
کے کلام میں عشقیہ خیالات کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔
اس عہد کی شاعری پر جب تبصرہ کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ شعراء
ایسے مرتبوں کی خوشی اور انعام حاصل کرنے کے لئے ایسے مبالغے
اور ایسی تشبیہیں صرف کر گئے ہیں جو ادب کی نزاکت و نفاست کو
گوارہ نہیں۔

اس زمانہ کی دیگر گاتھائیں دو قسم کی ہیں۔ پر بندہ کا دلچسپ
اور گیت کا دلچسپ نغمات موسیقی۔

پر بندہ کا وہ سب سے پہلی کتاب کہاں راسو ہے جو نویں
صدی عیسوی میں لکھی گئی۔ لیکن اس کتاب کا اس وقت جو نسخہ
موجود ہے اس میں کچھ نظمیں الحاقی معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ بعض
نظمیں ہمارا نام پر تاب سنگھ کے متعلق ہیں جو اس زمانہ کے بہت بعد
کو ہوئے ہیں۔ اس کاؤ کی دوسری مشہور کتاب چندر بردائی کی پرکھی
راج راسا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ اپنی صنف میں نہایت اعلیٰ
درجہ کی کتاب ہے۔ لیکن مہا بھارت۔ رامائن۔ الیڈ اور اڈرلیسی یا
شاہ نامہ فردوسی کے مقابلہ میں نہیں لائی جاسکتی۔ چندر بردائی کے
ہمعصر کیدار کھٹ کی بے چند پرکاش۔ ساراگ دھرم کی ہیر اور نل سنگھ
کی وہ بے پار راسو بہترین تصانیف ہیں۔

گیت کاؤ میں نریت نامہ (نرپاتینا لکھ) کی نظم بیسل دیو راسا
 سلاۃ اللہ کی تصنیف ہے۔ اس میں بیسل دیو کی عادی اور آڑ لیسیہ
 جانے کا ذکر ہے۔ اس کاؤ کی دوسری نظم آٹھ کھنڈ ہے۔ اس کا مصنف
 جگت نائک ہے۔ یہ نظم اپنے اصل روپ میں نہیں ہے۔ اس زبان میں
 بھوشن اور لال دوز بردست شاعر گزرے ہیں بھوشن نے اپنے اشعار
 میں تشبیہات و استعارات کا استعمال کیا ہے۔ باوجودیکہ اب دوسرے
 کال کا آغاز ہو چکا تھا اور لوگوں کے خیالات اس کی طرف متوجہ ہو چکے
 تھے۔ مگر یہ دونوں شاعر اپنی پُرانی روش پر چلتے رہے۔

اب اس دور کے شعراء اور ان کی تصانیف پر ذرا مفصل تبصرہ
 کیا جاتا ہے۔ زمانہ قدیم سے یہ طریقہ رائج تھا کہ ہر راجہ کے دربار
 میں ایک نہ ایک درباری شاعر ہوا کرتا تھا جن کا کام اپنے آقا کے
 بہادری کے گیت گانا تھا۔ انھیں بھاٹ کہا جاتا تھا۔ ان کے کئی فرقے
 تھے۔ مثلاً چارن بھاٹ۔ پنجولی وغیرہ۔ چارن اور بھاٹ دونوں فرقے
 اپنے کو برہمن کہتے تھے۔ پہلے بیل انھوں نے اپنے گیتوں میں مقامی
 پیرائت استعمال کی جو رفتہ رفتہ جدید زبان ہو گئی۔ ان بھاٹوں نے
 بہت سی منظوم تصانیف لکھی اور سلاۃ اللہ کے درمیان کہیں۔

جن میں سے چند شعراء کے نام یہ ہیں۔۔۔
 بھیا کوئی بکیتار۔ انانیا داس۔ مسعود۔ قطب علی۔ اگرم فیض وغیرہ۔
 افسوس ہے کہ ان کا کلام معدوم ہو گیا۔ اس لئے ولوق کے ساتھ یہ

نہیں کہا جاسکتا کہ جو زبان انھوں نے استعمال کی وہ مقامی پراکرت یا جدید زبان تھی۔ راجہ میواڑ کے یہاں ایک کتاب موجود ہے جسے ”کہان رائے“ کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب سوٹھویں صدی کی لکھی ہوئی ہے اور نویں صدی کی اصل کہان راسو کی نقل بتائی جاتی ہے۔ چونکہ اصل کتاب مفقود ہے اس لئے اس امر کی تصدیق نہیں ہوتی کہ آیا یہ کتاب اصل کہان راسا کی نقل ہے۔ ۱۱۳۳ء میں گجرات کا راجہ کمار پال کتھا جس کا دارالسلطنت انہیلوار تھا۔ یہ راجہ ۱۱۵۹ء میں ایک شاعر ایم چندر کی تحریک پر جینی ہو گیا۔ اس کی تشریح ایم چندر نے اپنی کتاب ”کمار پال چرتتسریں لکھی ہے۔ یہ منظوم ہے اور پراکرت زبان استعمال کی گئی ہے۔ اسی نام کی ایک اور کتاب بھی موجود ہے جس میں حال کی زبان استعمال کی گئی ہے۔ یہ کتاب تیرھویں صدی کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ ۱۱۸۰ء میں بیل دیواجمیر کا راجہ کتھا جس پر محمود غزنوی نے حملہ کیا۔ اس کے متعلق بھی ایک کتاب ”بیل دیوراسا“ موجود ہے۔ یہ بھی تیرھویں صدی کی تصنیف معلوم ہوتی ہے کیونکہ زبان قدیم نہیں ہے۔ تاوقتیکہ ان نظموں کی صحیح تاریخ تصنیف معلوم نہ ہو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آیا موجودہ زبان اور پراکرت میں کیا فرق تھا۔ ”برہتھوی راج راسا“ جو ۱۱۹۰ء میں تصنیف ہوئی اس کے متعلق گریسن کی رائے ہے کہ اس میں آپابہریش سورسینی پراکرت بہت کافی شامل ہے۔ اور اس وجہ سے موجودہ ہندی زبان کی ابتداء کو بارھویں صدی سے

پہلے قرار دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

ہندی ادب کے بعض تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ ہندی کا وجود آیا ہر نش بھاشاؤں کے بعد ہوا۔ لیکن اس کا صحیح صحیح اندازہ مشکل ہے کہ آیا ہر نش کب ختم ہوئی اور ہندی کب پیدا ہوئی کیونکہ زبانوں کی پیدائش یکایک نہیں ہوا کرتی بلکہ صدیاں لگ جاتی ہیں۔ جب زبان عام بول چال سے گذر کر لکھنے پڑھنے کے استعمال میں آتی ہے اسی وقت سے اس کی ادبی حیثیت خیال کی جاتی ہے۔

بعض ہندی ادیبوں نے ہندی کی پیدائش ساتویں صدی بکرمی بتائی ہے اور اس کے ثبوت میں پیشا کوی کی ایک کتاب کا حوالہ دیا ہے جو اسی صدی کی لکھی ہوئی بتائی جاتی ہے، لیکن یہ قول مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر قابل قبول نہیں ہے :-

(۱) جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے وہ معرض وجود میں نہیں آئی اور نہ اس کی چھوٹی سی چھوٹی عبارت دیکھنے میں آئی۔

(۲) اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ کتاب ہندی زبان میں لکھی جائی تھی اور ہندی ادبی زبان بن چکی تھی تو اس کے بعد دسویں صدی تک کسی دوسری ہندی کتاب کا وجود میں نہ آنا اس کی نفی کر دیتا ہے۔

(۳) آٹھویں۔ نویں اور دسویں صدی بکرمی میں آیا ہر نش کتابوں کا وجود ہے اور چونکہ ہندی کا وجود آیا ہر نش بھاشا کے ختم ہونے کے بعد ہوا اس لئے پیشا کوی کی اس کتاب کا ساتویں صدی بکرمی میں

تصنیف ہوتا ناقابل یقین ہے۔

(۴) بارھویں صدی میں ہیم چندر کی ایک کتاب ہندی صرف و نحو میں موجود ہے جس میں تمام امثلہ آیا ہر نش بھاشا کی دی ہوئی ہیں۔ اگر ہندی زبان ادبی شکل اختیار کر چکی ہو تو اس کتاب میں آیا ہر نش بھاشا کی امثلہ دینے کے بجائے ہندی زبان کے نمونے ہوتے۔

وجوہات مندرجہ بالا سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہندی کا وجود گیارھویں صدی بکری سے پہلے نہ تھا۔

یہ چاند بردائی کی ایک نظم ہے جو ۶۹ جلدوں میں ہے۔ اس میں ایک لاکھ بند ہیں۔ یہ

پرکھوی راج راسا

پرکھوی راج کی زندگی اور اس کے عہد کی نہایت مکمل غیر مستند تاریخ ہے۔ پرکھوی راج جس کا زمانہ ۱۱۵۹ء تا ۱۱۹۲ء ہے۔

اجمیر اور دہلی کا چوہان راجہ کھاجو ترائن کی لڑائی میں مارا گیا۔ اُسے ادب سے کافی ذوق تھا۔ اس کے دربار میں انیس داس (अनिस दस)

کے علاوہ چاند بردائی بھی کھاجو قدیم بھاٹ خاندان کا ایک فرد تھا۔ بعضوں کا یہ قول ہے کہ یہ سور داس کی اولاد سے تھا۔ پرکھوی راج کے

دربار میں اگر وہ وزارت کے عہد سے تک پہنچا اور ملک الشعراء کا خطاب پایا۔ اس کا کلام سترھویں صدی میں میواڑ کے امر سنگھ نے جمع کیا تھا۔

اس کے کلام میں موجودہ زبان کی مھلاک ضرور ہے لیکن متاخرین کا رنگ زیادہ نمایاں ہے۔ یہ کتاب چاند بردائی کا خاص کارنامہ ہے۔

اس کتاب میں پرکھتوی راج اور سلطان مشہاب الدین کی بے دریغ جنگوں کا ذکر ہے جو غیر تاریخی واقعات سے گزرے۔ شاہان مغلیہ کی آمدان کی واقعی آمد سے تیس سال پہلے کی دکھائی گئی ہے۔ اس لئے ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ کتاب اس وقت کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس کتاب میں بعض محاورات ایسے پائے جاتے ہیں جو اب متروک ہیں۔ یہ کتاب ہندی نظموں کی کتابوں میں سب سے قدیم ہے۔ چونکہ اس میں متروک الفاظ و محاورات کی کثرت ہے اس لئے اس کا پڑھنا اور سمجھنا آسان نہیں۔ لیکن ایسے شائقین شخصوں نے اس کو اچھی طرح پڑھا اور سمجھا ہے شاعر کی قابلیت کی داد دیتے ہیں۔ یہ کتاب لسانی تحقیق کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ مثال۔

چند

کوی کائنات چند سوماधौ नरिंद ।

سुरंतान भहं मधू-माद ईदं

कवी एक भंडी भि डिंभी प्रमाने,

किने तार भंकार विद्या सुजानं

(पृथ्वीराज रासो)

سُرنَتان بھتم مدھو مادھ اندم

کیتے تار جھنکار و دیا سجا نم

(از پرکھتوی راج راسو)

کئی کت چندم سجادھو ترندم

کئی ایک بھنڈی بڑ بھی پرانم

ترجمہ۔ چند کہتا ہے کہ مادھورا ج نام کوئی سلطان شہاب الدین غوری کا ایک بھاٹ کھا جو شراب کے نشہ میں عمرہ اور خراب دونوں خصوصیات سے متصف تھا۔ وہ کوئی مانند ایک بھانڈ کے کھا اور ظاہر متعصب تھا۔ وہ تاروں کی جھنکار کا علم بھی جانتا تھا۔

چاند بردائی کا بیٹا جلہن ج لہن بھی شاعر تھا خیال ہے

کہ اس نے بھی اس کتاب کی تکمیل میں اپنے باپ کا ہاتھ بٹایا۔

یہ چاند بردائی کا ہم عصر ہوئے کے راجہ کا
جگ نایک | درباری شاعر تھا۔ اس نے ایک نظم ہو یا کھنڈ

لکھی ہے جو اب معدوم ہے۔ اس کا کچھ حصہ لوگوں کو زبانی یاد ہے۔

لیکن اس کی زبان ضرورت کے مطابق تبدیل ہوتی گئی۔

یہ نظم اب بھی آلہ کھنڈ کے نام سے خصوصاً برسات میں گائی جاتی

ہے۔ اس کا ترجمہ انگریزی میں بھی ہو چکا ہے۔

چودھویں صدی کے وسط میں سارنگ دھر
سارنگ دھر | بھی ایک بھاٹ گذرا ہے۔ بیان کیا جاتا

ہے کہ وہ چاند بردائی کے خاندان سے تھا۔ اس کی دو نظمیں

ہمیر آسا اور ہمیر کوتا خاندان رتھمپور کی مشہور تارکین ہیں۔ ہمیر و

علاؤ الدین کے درمیان جنگ۔ ہمیر کا علاؤ الدین کے ہاتھوں مارا

جانا نہایت عمدہ طریقہ سے دکھایا گیا ہے۔ یہ دونوں نظمیں اس دور

کی ہندی زبان میں ہیں۔

یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشہور کھاٹوں کا ذکر ان کے دربار کے لحاظ سے کر دیا جائے۔

میسواڑ کے کھاٹ | رانا جگت سنگھ راجہ میواڑ کے وقت کی ایک کتاب جگت بلاس ایک نامعلوم

کھاٹ کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد رانا راج سنگھ کے زمانہ میں بھی جو شعراء کا بڑا سرپرست اور مرنی تھا ایک کتاب راج پرکاش ایک نامعلوم کھاٹ کی لکھی ہوئی ہے۔ مان اس کا درباری شاعر تھا جس نے راج دیو بلاس لکھی۔

اس کتاب میں اوزنگ زیب اور راج سنگھ کی لڑائی کا ذکر ہے۔ اس کے دربار میں ایک اور شاعر سرداشیو بھی گذرا ہے جس نے اپنے مرنی کے سوانح حیات راج رتناکر میں لکھے ہیں جو ۱۶۶۱ء کی تصنیف ہے۔ رانا راج سنگھ کا بیٹا رانا جے سنگھ بھی شعراء کا سرپرست تھا۔ اس کے زمانہ میں ایک کتاب جے دیو بلاس لکھی گئی جس میں اُس کی سلطنت کے راجاؤں کا حال ہے۔ اسی زمانہ میں رنجھو نے ایک کتاب راج پتانہ لکھی تھی۔

مارواڑ کے کھاٹ | مارواڑ میں بھی میواڑ کی طرح شاعروں کی بڑی قدر رکھی۔ ہمارا راجہ سور سنگھ کے متعلق

یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک دن میں ۶ لاکھ روپیہ اپنے ۶ درباری شاعروں کو تقسیم کئے۔ اس کا بیٹا راج سنگھ اور پوتا امر سنگھ بھی شعراء

کا بڑا قدر دان تھا۔ امر سنگھ اپنے باپ سے لڑنے کی بناء پر جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ یہ شاہجہاں کے دربار میں حاضر ہوا اور اس کے قتل کی سازش کی مگر خود قتل کر دیا گیا۔ امر سنگھ کے زمانہ میں بنواری لال اور گھونا کھڑائے ۱۶۳۴ء میں مشہور شعراء تھے۔

ہمارا راجہ اجت سنگھ راجہ جودھپور کے زمانہ میں ایک کتاب ”راج رویا اکھیات“ لکھی گئی ہے جس میں اس کے خاندانی حالات درج ہیں۔ ہمارا راجہ اچھے سنگھ کے زمانہ میں گرن ایک بہت مشہور شاعر گزرا ہے جو بھاٹ تھا اور جودھپور کا رہنے والا تھا۔ اس نے ایک نظم سور یہ پر کاش لکھی جو ۱۶۳۸ء لغایت ۱۶۳۹ء کے واقعات کی تاریخ ہے۔ اس میں سات ہزار پانچ سو اشعار ہیں۔ ہمارا راجہ وجے سنگھ راجہ جودھپور بذات خود ایک اچھا شاعر تھا۔ اس کے زمانہ میں وجے بلاس لکھی گئی جس میں ایک لاکھ اشعار ہیں۔ اس میں ابجے سنگھ اور اس کے چچا زاد بھائی رام سنگھ کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں ان کا ذکر ہے۔

دیگر درباروں کے بھاٹ

میواڑ اور مائڈاڑ کی طرح بھاٹوں کا وجود دوسرے درباروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ جگت سنگھ راجہ ہوبانے جو بغاوت شاہجہاں کے خلاف کی تھی اس کی منظر کشی ایک مشہور بھاٹ گچھیرائے نے کی تھی۔

راجہ اُدے سنگھ کے بیویو تے راؤرتن کے زمانہ میں ایک نامعلوم بھاٹ
 نے راؤرتن راسطاسن خاندان کی ایک تاریخ لکھی۔ جسے سنگھ استوائ
 ہمارا جہ جے پور شہر اداکاسر پرست اور مڑتی تھا۔ یہی نہیں بلکہ اُس نے
 اپنی ایک خود نوشت سوانح عمری جسے سنگھ کلپا درم لکھی۔ ہمارا جہ
 نمرانہ کے حکم پر جودھ راج برہمن نے ۱۷۲۸ء غ میں ہیر کاویہ لکھی۔
 جس میں انھیں واقعات کا اعادہ کیا گیا ہے جن کو سازنگ دھ بھاٹ
 نے چودھویں صدی میں لکھا تھا۔ ہری کیش بھاٹ۔ راجہ چھتر سال۔
 راجہ پتا کے دربار میں تھا۔ اس نے بہادری کے کارنامے نہایت
 خوبی سے نظم کئے ہیں۔ ہمارا جہ بھرت پور کا بیٹا سورج مل سوداں برہمن
 کامڑتی تھا۔ اس نے سچان چتر لکھی جس میں ایک معرکہ کا حال ہے جو
 سورج مل کو پیش آیا۔ سودان نے واقعاتی شاعری جسے مثنوی کہہ سکتے
 ہیں اچھی کی ہے خصوصاً میدان کارزار کی تیاریاں خوب دکھائی ہیں۔
 لیکن لال کوئی معرکہ کارزار کی تصویر کشی میں سودان سے زیادہ کامیاب
 ہوا ہے۔ ہمارا جہ در بھنگ کے دربار میں بھی بھاٹ کتے مگر انھوں نے
 ہماری زبان میں شاعری کی ہے۔

لال کوئی۔ بند ملکھنڈ کے راجہ چھتر سال کے زمانہ میں گذرا
 ہے۔ راجہ بذات خود شاعر تھا اور شعرا اور ادیبوں
 کامڑتی بھی۔ لال کوئی کا پورا نام گورے لال پروہت تھا۔ برہن جھاشا
 میں اس نے ایک کتاب چھتر پرکاش لکھی ہے جو راجگان بند ملکھنڈ

لال کوئی

کی مکمل تاریخ ہے۔ اس میں راجہ چھتر سال اور ان کے باب کے حالات بہت تفصیل سے درج ہیں۔ لال کوی اپنے زمانہ کا مشہور شاعر تھا۔ معرکہ کارزار کی منظر کشی میں وہ سب پر سبقت لے گیا ہے۔ مثال

لال کوی

एक रदन सिंधुर वदन, दुरबुधि तिमिर दिनेश ।

लम्बोदर असुरन सरन, जै जै सिद्धि गनेश ।

(छत्र-प्रकाश)

ایک رَدَن سِندھُہرُ بدن۔ در بُدھ تھر وینیش
لمبودر اسرن سرن جے جے سیدہ گنیش

(از چھتر پرکاش)

اس دوہے میں شاعر نے گنیش جی کا ایک سر پایا اور تعریف کی ہے۔ کہتا ہے کہ جن گنیش جی کا مٹنہ مانند ہاتھی کے ہے جو بے وقوفوں کی عقل کو درست کرتے ہیں۔ جن کا پیٹ لمبا ہے اور جو بے پناہوں کی پناہ ہیں اُن کی جے ہو۔

بھاٹوں کے کارناموں کے علاوہ جن کا ذکر اس باب میں آچکا ہے۔ اس دور میں اور بھی بہت سے شعراء گزرے ہیں جنہوں نے فلسفہ ویدانت۔ اصول مذہب جین۔ اخلاقی نظموں۔ مذاہمہ نظموں۔ تدوین، لغت، علم زراعت، علم نجوم، علاج الحیوانات وغیرہ پر خامہ فرسائی کی ہے۔ ان میں سے مشاہیر کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

نام مصنف یا شاعر	سنہ	نام کتاب یا خصوصیت
ناکھ کوی	۱۵۸۴	برج بھاشا میں شاعری کی موضوع ہندوستان کے موسم۔
مبارک علی (لیکری)	۱۵۸۳	برج بھاشا میں چھوٹی چھوٹی نظمیں کہیں جواب تک راج ہیں۔
بنارس داس	۱۵۸۶	جونپور کا رہنے والا برج بھاشا کا اچھا شاعر تھا۔
سری دھر (مثال)	۱۶۲۳	”بھوانی چھند“ درگا کے مدح میں لکھی۔
گھاسی رام	۱۶۲۳	اخلاقی شاعری کی ہے۔
یوہا کر	۱۶۳۴	”رس رتن“ نظم لکھ کر قید سے رہائی پائی۔
داہود داس	۱۶۶۰	”مارکنڈے پیران“ کا ترجمہ راجستھانی میں کیا۔
سیتل سنگھ	۱۶۷۰	اس نے مہا بھارت کے چوبیس ہزار اشعار کا ہندی میں ترجمہ کیا۔ یہ شاہی خاندان کا تھا۔
موتی رام	۱۶۸۳	مادھوئل کی کہانیاں برج بھاشا میں ترجمہ کی جس کا ترجمہ اردو میں تلک لال جی نے کیا۔
گھاگھ	۱۶۹۶	نہ راعت پور۔ اس کے حکیمانہ اقوال شمالی ہند میں بہت مشہور ہیں۔

نام مصنف یا شاعر	سنہ	نام کتاب یا خصوصیت
چھتر گنگاپتی	۱۷۰۰	”وجے مکتا دلی“ مہا بھارت کا خلاصہ کیا۔
	۱۷۱۹	ہندو مذہب کا فلسفہ ”گیان بلاس“ کے نام سے کیا۔ یہ مکالمہ کی صورت میں ہے جو گرو جیلے کے درمیان ہے۔
کرپارام	۱۷۲۰	راجہ جے پور کا درباری شاعر تھا۔ علم نجوم پر ہندی میں کتاب لکھی۔
گودھر (مثال)	۱۷۱۳	اخلاقیات پر نظمیں لکھیں۔ کنڈلیا بکر کا ماہر تھا۔ سادگی اور روزمرہ اس کا جوہر ہے۔
ناگری داس (مثال)	۱۷۲۳	بعض اشعار ضرب المثل بن گئے ہیں۔ اصل نام ساوت سنگھ تھا۔ نیشن گڈھ کا راجہ بڑے پایہ کا شاعر تھا۔
نور محمد (مثال)	۱۷۲۳	”اندر راوتی“ ایک نہایت عمدہ نظم لکھی۔
رام چندر	۱۷۸۲	چرن چندر کا پانچ جلدوں میں لکھی جو یاربتی کی عزت کے متعلق ہے۔ باعتبار خاعری یہ کتاب اسن کا شاہکار سمجھی جاتی ہے۔

زمانہ قدیم کے بھاٹ اور ان کے جانشینوں کا سلسلہ طویل ہے۔
 جھوں نے ویرگاکھا کال میں شاعری کی ہے۔ ان کے کارنامے
 ادبی حیثیت سے وقیع نہیں۔ تاریخ کے حقائق سے بے نیاز ہو کر ناظم
 یا افسانہ ساز کی حیثیت سے اپنے زمانہ کے حالات خوب لکھے جو زیادہ تر
 ناقابل قیاس قصص و حکایات پر مبنی ہوتے تھے۔ تاہم اس وقت
 کے ماحول کا صاف نہ سہی دھندلا سا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

فہرست متذکرہ میں جن شعراء کے نام کے ساتھ (مثال) لکھا ہے
 ان کے کلام کے نمونے مع مقدمہ ترجمہ پیش کئے جاتے ہیں:-

نور محمد

سب کاہ دھن آکھا مانا । فلولواری دس کوئینہ بیانا
 ہندراوتی رتھ اُپر چڑی ۔ دونو بڑی روپ کو بڑھی
 چلی مانسوں آکھن باری ۔ بنیادین ناہون پٹھاری
 چلی سونارین کچن باری ۔ راجپوتی رتھارین منہرنی
 لانی دھن ہلچا دین بلی ۔ اُپر میٹائی باڈت چلی
 چلی سہلی سندرہ، ہندراوتی کے سنگ
 گات بسانتی گاتیں، پھیرے دھون سورنگ
 (ہندراوتی سے)

پھلولواری دس کوئینہ بیانا
 دونو بڑی روپ کو بڑھی

سب کاہو دھن آگیا مانا
 اندراوتی رتھ اوپر چڑھی

چلی مان سون برہمن باری بنے آئن نائن پٹ ہاری
 چلی سنارن کنجن برہمن راجیوتن کھترن من ہرنی
 لونی دہن حلوائن بہلی آدھ مٹھائی بانٹت چلی
 چلیں سہیلی ستدری اندراوت کے سنگ
 گیت لبنتی گاوتیں پھیر سے دکل ہوزنگ

(از اندراوتی) نور محمد

ترجمہ۔ سبھی حکم بجا لاکر کھیلواری کی طرف چل دیں۔ اندراوتی رکھ
 پیر سوار ہو کر ماں کے ساتھ۔ برہمنی باری بنیائیں۔ نائن۔ بیٹوی سنارن۔
 راجیوتنی کھترن اور حلوائی کے ہمراہ چلی۔ لبنت کے گیت گاتے ہوئے
 اور رنگین ریشمی کپڑے پہنے ہوئے۔

गिरिधर कविराय

साई अपने चित्त की भूलि न कहिये कोइ ।
 तब लग मन में राखिये जब लग कारज होइ ।
 जब लग कारज होइ भूलि कवहू नहि कहिये ।
 दुरजन हैंसै न कोय आप सियरे हँ रहिये ।
 कह गिरिधर कविराय बात चतुरन के ताई ।
 करतूती कहि देत आप कहिये नहि साई ।

سائیں اپنے چیت کی بھول نہ کئے کوئے
 تب لگ من میں را کھئے جب لگ کارج ہوئے

جب لگ کارج ہوئے کھول کھول نہیں کھئے
 گرجن منہ نہ کوئے آپ سیرے ہوئے رہئے
 کئے گردِ صحر کویرائے بات چھترن کے تائیں
 کہ توئی کہہ ریت آپ نہ کئے نہیں سائیں

(گردِ صحر)

ترجمہ۔ اپنی غلطی کا اظہار اس وقت نہ کرے جب تک کہ کام پورا نہ
 ہو جائے۔ عقلمندوں کو چاہئے کہ اگر کوئی کم عقل ان کے اوپر ہنسنا ہے
 تو انھیں اس کا خیال نہ کرنا چاہئے۔ افعال انسان کی حالت خود ظاہر
 کر دیتے ہیں۔ اظہار کی ضرورت نہیں۔

ناگरीदास

जहाँ कलह तहँ मुख नहीं कलह सुखन को मूल ।
 सबै कलह इकराज मैं राज कलह को मूल ।

جہاں کلہہ تھاں سکھ نہیں۔ کلے سکھن کی سول
 سبے کلہہ اک راج میں۔ راج کلہہ کو مول

(ناگری داس)

ترجمہ۔ جس مقام پر نزاع ہو وہاں آرام و چین نہیں۔ نزاع
 آرام و آسائش کو برباد کرتی ہے۔ تمام نزاعیں حکومتوں میں ہوتی ہیں۔
 اس لئے حکومت نزاع کی جڑ ہے۔

श्रीधर

और रोज भिनसार भयो जब । सज्यो शाहि दीवान खास तब ॥
 मिसिल मिसिल ठाड़े अभीर सब । लियो मुरुतुजा खान बली अब ॥
 सैद मुरुतुजाखां बढि आयो । शहंशाह तासों फरमायो ॥
 फौज साज चाह्यो चित्त लीजे । प्रथम पछाँह पयानो कीजे ॥
 हुकुम होतही चले महाबल । सैद मुरुतुजा खान साजि दल ॥
 (जंगनामा)

اور رोज بھنسار بھيو جب سجيو شاہ دیوان کماںس تب
 مثل مثل کھاڑے امیر سب لیسو مرتجا کہاں ملی اب
 سید مرتجا کہاں بڑھ آيو شاہ منشاہ تا سوں پھرمایو
 فوج ساچ چھاھیو چیت لوی پتر کھم کھیا نہ پیالوں کیجئے
 حکم ہوتا ہی چلے کہاں سید مرتجا کہاں ساچ دل
 (از جنگ نامہ سری دھر)

روح = روزہ۔

دیوان کماںس = دیوان خاص۔

امیر مرتجا کہاں = مرتضیٰ خاں۔

پھرمایو = فرمایو۔



دوسرا دور

بھگتی کال

سلطان علاؤ الدین کی فتوحات کے بعد ہندوؤں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو باہم ہمیشہ دست و گریباں رہا کرتی تھیں ختم ہو گئیں۔ ان کی مخالفت اور بہادری کی داستانیں نظم کرنے والوں کا مذاق بھی اختتام کو پہنچ گیا۔ ہمیں اس کے وقت سے ویرگا کھٹاکم ہو گئی۔ جنگ و پیکار سے جب فرصت ملی تو مذہب نے قدم بڑھایا۔ رجواڑوں کے ختم ہونے سے رعایا بے خانماں ہو گئی۔ پریشانی کے عالم میں صرف دو خیالات پیش نظر تھے۔ مذہب کا تحفظ یا موت۔ ان میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری تھا۔ اس وقت کچھ ایسے شاعر پیدا ہوئے جنہوں نے بے خانماؤں کو تصوف کے نغمے سننا کراٹھیں خدا کی طرف رجوع کیا جس سے ان کو سکون قلب حاصل ہوا اور ہر اس دور ہوار اکھنیں شعرا کا زمانہ بھگتی کال کہلاتا ہے۔ سوائین سو برس تک ان کے بھگتی کے گیت فضا میں گونجتے رہے۔ اس زمانہ میں دو قسم کی نظمیں لکھی گئیں۔ نرگنتر اور سنگنتر۔ نرگنتر لکھنے والے شعراء خدا کے مادی وجود کے قائل نہ تھے۔ بلکہ خدا کو اس کے صفات سے متصف کرتے تھے اور سنگنتر لکھنے والے وہ شعراء تھے جو خدا کی مادی شکل میں پرستش کرتے تھے۔

- مذکورہ نو لسیوں نے نہ گنہگار کی بھی دو شاخیں کی ہیں۔ گیان آشری اور پریم آشری یعنی حقیقی اور مجازی۔ پریم آشری کے مشہور شعراء قطبین منجھن۔ ملک محمد جالشی۔ عثمان۔ قاسم۔ نور محمد۔ فاضل شاہ وغیرہ ہیں۔ عشق و محبت ان کا پیغام تھا اور وہ مجازاً سے حقیقت کی تعلیم دیتے تھے۔ حجت کے افسانے اور سچے واقعات نظم کر کے لوگوں کو خدا کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ان کی زبان میں اودھی کی چاشنی ہے

گیان آشری شاخ میں زیادہ تر صوفی شعراء ہوئے ہیں، لیکن ان کے کلام میں وہ لطف نہیں جو مسلمان صوفی شعراء میں ہے۔ صوفیانہ شاعری زیادہ تر فارس کے خیالات سے متاثر تھی۔ اس کا یو دامنہ دوستی کی سرزمین و آب و ہوا میں پار آور نہ ہو سکا۔ اسی وجہ سے ہندی ادب میں صوفیانہ شاعری نمایاں نہ ہوئی۔

جنوبی ہند میں رامانج اچاریہ نے ۱۹۰۱ء میں ویشنوی تعلیم کا راستہ جو پہلے تنگ تھا اب کشادہ کر دیا۔ رامانند اور ولہ اچاریہ کے شمالی ہند میں رامانی اور کرشنانی تعلیم کو عام کیا۔ ان لوگوں کی کوششوں سے یہ تعلیمات پندرہویں اور سولہویں صدی میں ملک کے ہر چار طرف پھیل گئیں۔ وڈیا پتی کی گیت گو بند نے عوام کو سری کرشن سے پہلے ہی روشناس کر دیا تھا۔ لیکن راجان اس کی جانب کم تھا جس وقت کہ اہل ہند نہایت بڑبڑدہ اور دل تنگ ہو رہے تھے، سور داس نے کرشن کے نغمے سن کر ان کے دلوں کو اطمینان اور تسلی بخشی۔ اس نے یہ

لغے کچھ اس رنگ سے اپنے اکتارے پر بجائے جو رفتہ رفتہ تمام ملک میں گونج اٹھے۔ ان کا اثر یہ ہوا کہ بڑے بڑے مہاتماؤں کا دل کرشن کی طرف کھینچ گیا اور وہ بھی وہی راگ الاہینے لگے۔

کرشنائی مسلک کے سلسلہ میں ناگری داس۔ البیلی علی۔ میر آبائی۔ برنڈا بن داس وغیرہم نے ایسے لغے گائے اور گلشن ہند میں وہ پھول کھلائے جن کی دلکشی اور خوشبو سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ سرشار اور معطر ہے۔ ان شعراء کے کارناموں نے ہندی میں چار چاند لگائے اور ایسے شاہکار برج بھاشا میں چھوڑے جو اب تک ہندی ادب میں موجود ہیں جن سے برج بھاشا کے پرانے نمونے ہمیشہ قائم رہیں گے۔ اس دور میں کرشنائی مسلک کے ساتھ ساتھ رامائی مسلک بھی ترقی کرتا رہا جس میں تلسی داس نے رام کو حسن۔ القا اور قوت کا مجسمہ قرار دیا ہے۔ اس شاخ کی پرورش کرنے والوں میں نابھاداس۔ پران چند۔ جوبان۔ ہردے رام۔ سیناپتی ہیں اور انیسویں اور بیسویں صدی میں رام عین داس۔ رگھوناتھ داس۔ رگھوراج سنگھ۔ رام چرترا پادھیا اور مینکل سرن گیت وغیرہ ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کی فتوحات کے بعد شمالی ہند میں وشنو تحریک کے ماتحت ہندی زبان میں نئی تبدیلیاں شروع ہو گئیں۔ یہ تحریک تین گروہوں میں تقسیم تھی۔ رامائی۔ کرشنائی اور وہ گردہ جو خدا کے وجود کا قائل گروہی کا منکر تھا۔ ہر گروہوں میں چند اصول یکساں تھے۔ مثلاً خدا کے واحد کا

وجود جو لائق پرستش ہے اور جس کی عبادت فلاح و بہبودی کا باعث۔ یہ تحریک
برہمنوں کے فلسفے اور مذہبی رسوم کے بالکل خلاف تھی۔ یہ تحریک خالص
مذہبی تھی اس لئے بہت جلد عوام میں پھیل گئی۔ وہ تمام کتابیں جو اس تحریک
کے ماتحت لکھی گئیں سنسکرت کے بجائے ہندی زبان میں لکھیں، ہندی
ادب کے لئے یہ نہایت اہم اور مفید تبدیلی تھی۔

گوکہ مذہبی تحریک کا آغاز رامانند کے زمانہ سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔
لیکن یہ مسئلہ اہم ہے کہ رامانند نے شمالی ہند میں اس تحریک کی توسیع
و اشاعت میں کارہائے نمایاں کئے۔ اسی تحریک کے ماتحت ۱۶۰۲ء
میں گرو ارجن نے سکھوں کا آدی گرنہ لکھا تھا جو اب تک موجود ہے اور جو
اسی تحریک کے زمانے کا ادبی نمونہ ہے۔ اس گرنہ میں بہت سے بھگتوں کی
نظمیں محفوظ کی گئی ہیں جن میں سے سدا نا اور نامد کو مشہور ہیں۔ سدا نا
پندرھویں صدی میں گذرا ہے جو بھیر بکری ذبح کیا کرتا تھا۔ بعد میں
اس نے اس کام کو ترک کر دیا اور بھگت ہو گیا۔ اس گرنہ میں اس کی صرف
دو نظمیں ہیں۔ نام دیو مرہٹی تھا۔ یہ ذات کا درزی تھا۔ ان قصص و حکایات
سے جو اس کے متعلق موجود ہیں معلوم ہوتا ہے کہ بچپن کے زمانہ میں وہ
نہایت متقی تھا لیکن جوانی میں ایک عرصہ تک ڈاکوؤں کے گروہ میں شامل
ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے ان افعال سے توبہ کی اور پھر متقی ہو گیا۔ اس
نے کثیر تعداد میں مرہٹی زبان میں نظمیں لکھی ہیں۔ مرہٹی زبان کے علاوہ ہندی
میں بھی اس نے شاعری کی ہے۔ اس کی بہت سی نظمیں گرنہ میں موجود ہیں۔

نامہ لو کے کارنامے و شہرت تحریک میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

راما نند کا زمانہ ۱۷۰۰ء و ۱۷۴۰ء کے درمیان

راما نند

ہے۔ وہ تارک الدنیا تھا۔ ۱۷۳۰ء میں اُس

نے رام کی پرستش کے لئے لوگوں کو ترغیب دی۔ اس کا خیال تھا

کہ صرف رام کی پرستش ہی مخلوق کو آواگون کی خرابیوں سے نجات

دلا سکتی ہے۔ اُس کی پرستش کے لئے خلوص قلب اور یک جہتی

لازمی ہے۔ یہ تحریک لے کر چونکہ اس کے پیشرو بھگت راستہ

تیار کر چکے تھے اُس لئے اُسے اس کی توسیع میں زیادہ دقت

نہ اٹھانی پڑی اور بہت جلد نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ اُس نے

بنارس کو اپنی قیام گاہ بنایا جو اس تحریک کا صدر مقام تھا۔

راما نند کی شخصیت شمالی ہند کی مذہبی تحریک میں نہایت نمایاں ہے۔

اس کی اس تحریک سے صرف راما نندی فرقہ ہی وجود میں نہیں آیا،

بلکہ انھیں اصول کی بناء پر اور بھی بہت سے فرقہ پیدا ہو گئے۔

بحیثیت مصنف راما نند کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔ اُس نے

بہت سی نظمیں ہندی میں لکھی ہیں جن میں سے چند آدمی گزرتے ہیں

موجود ہیں۔ راما نند بت پرستی کا مخالف تھا۔ خدا کے واحد سرایان

کہتا تھا۔ اُس کا عقیدہ تھا کہ خدا محض روح ہے ہماری آنکھیں

اُسے نہیں دیکھ سکتیں۔ اُسے وہ رام کے نام سے موسوم کرتا تھا۔

اس عقیدے کے باوجود بھی اس نے بت شکنی نہیں کی اور نہ

ہندو مذہب کی بُرائی روایات کو ٹھکرایا اور نہ ذاتیات کے طریقہ کو نیست و نابود کیا۔ دوسرے بھگتوں کی طرح وہ اس کا قائل تھا کہ اچھوت بھی خدا کی عبادت کر کے بہتر ہو سکتے ہیں۔ اس کے شاگردوں میں مشورہ۔ جاٹ۔ برادری سے خارج مندرجہ لوگ بھی تھے۔ اس کے کسی فعل سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس نے ذاتیات کے قوانین میں کوئی ترمیم کی ہو۔ ہندی ادب رمانند کی اس تحریک کا صرف اس قدر مرہونِ منت ہے کہ اس تحریک کے ذریعہ سے ہندی زبان کے پھیلنے میں بہت آسانی ہوئی۔ رمانند نے سنسکرت کا استعمال بالکل چھوڑ دیا جس سے ہندی ادب میں کافی ترقی ہوئی۔ رمانند کے شاگردان خصوصی بارہ بکلائے جاتے ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل کا کلام محفوظ ہے:-

- (۱) پیپا۔ یہ نگاروں گڑھ کا راجہ تھا۔ ۱۴۲۵ء میں پیدا ہوا۔
- رمانند کا چیلہ ہونے کے بعد سلطنت سے دست کش ہو کر بھگت ہو گیا۔
- (۲) دہانا۔ یہ قوم کا جاٹ تھا۔ ۱۵۱۴ء میں پیدا ہوا۔
- (۳) سین۔ راجہ دیوا کے دربار کا حجام تھا۔ ان تین شاگردوں کے کلام میں سے چند نظمیں آدی گرتھ میں موجود ہیں۔
- (۴) بھاوانند بھی اس لحاظ سے مشہور ہے کہ ایک کتاب امرت دھار ہندی زبان میں لکھی جس میں کہ اس نے فلسفہ ویدانت کی شرح کی ہے۔ یہ کتاب چودہ ابواب پر مشتمل ہے۔

(۵) رائے داس۔ قوم کا چمار تھا۔ ایک زبردست بھگت گذرا ہے۔ اس کی قیس سے زیادہ نظمیں آدی گرنٹھ میں موجود ہیں۔

(۶) کبیر۔ یہ راما نند کا شاگرد رشید تھا۔ بلحاظ قومیت جولاہا تھا۔ اس کی پیدائش و پرورش کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ ایک برہمن بیوہ کا لڑکا تھا جس کو بیوہ نے اپنے فعل کو چھپانے کی غرض سے نہریاتالاب کے قریب ڈال دیا تھا جو بنارس کے قریب ہے۔ اس بچے کو ایک مسلمان جولاہے نے جس کا نام منیر دتھا دیکھا اور اپنے گھر لے آیا اور اس کی بیوی نیما نے اپنے بچوں کی طرح اس کی پرورش کی۔ کبیر اکھی کمسن ہی تھا کہ ہندو اور مسلمان دونوں اس سے ناراض ہو گئے، ہندو اس وجہ سے کہ وہ نیچ ذات ہوتے ہوئے جینیوہیتا تھا اور مسلمان اس لئے کہ وہ مسلمان ہوتے ہوئے ہندو دیوتاؤں کے نام لیا کرتا تھا۔ اس کو لوگ اکثر نیکورا (بے گرو) کہتے تھے۔ اس داغ کو مٹانے کے لئے اس نے راما نند کی شاگردی اختیار کرنی چاہی لیکن اسے خوف تھا کہ کبیر راما نند سے اپنی شاگردی میں لینا پسند نہ کرے۔ چنانچہ اس نے یہ ترکیب کی کہ ایک رات اس گھاٹ پر جہاں راما نند آیا کرتا تھا ہاسٹہ پر لیٹ رہا تاکہ راما نند کھڑکھا کر گر پڑے اور اگر ایسا ہوا تو راما نند کے منہ سے بیساختہ رام رام نکل جائے گا۔ کبیر کی یہ تدبیر کارگر ہوئی اور جیسے ہی کہ راما نند نے کھڑکھا لگنے پر رام رام کہا، کبیر ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور کہا "رام نے مجھے آپ کی شاگردی کے لئے بلجیا ہے"۔ راما نند نے کبیر کی یہ بات سن کر اسے شاگرد بنا لیا۔ کبیر اپنے گرو کی خدمت میں روزانہ

حاضر ہونے لگا اور اپنے گرو کے اقوال کو اس طرح سے پھیلایا کہ گرو سے بھی
سبقت لے گیا۔ کبیر کا مذہب مشتتبہ ہوتے ہوئے بھی اس کے خیالات
اس کا صاف اظہار کرتے ہیں کہ وہ مذہب اسلام سے بہت زیادہ متاثر تھا۔
وہ ہندوستان کے اس مذہبی گروہ کا بانی تھا جو خدا کے وجود کا قائل اور
وحی کا منکر تھا۔ وہ خدا کے لئے رام سہی، گووند اور اللہ کے الفاظ کا استعمال
جائز سمجھتا تھا اور فلسفہ ویدانت کا قائل تھا لیکن اس نے نہایت زور شور کے
ساتھ دیوتاؤں کے وجود پرستی اور ہندو رسومات کے خلاف آواز بلند کیا۔
کبیر کے ظاہری اور باطنی اثرات لا محدود ہیں۔ کبیر متحقیوں کے علاوہ بہت سے
دوسرے فرقے بھی اپنے مذہبی خیالات میں کبیر کے پیروں نظر آتے ہیں جن کا ذکر آئندہ
آئے گا۔ کبیر کے سوا رخ حیات کے متعلق مختلف روایات مشہور ہیں لیکن ان کا
ہونا مشتتبہ ہے۔ اسے مذہبی خیالات کا انہماک اکثر اپنے آبائی پیشہ سے بیگانہ
رکھتا تھا جس کی وجہ سے اس کے خاندان والے اسے ملامت کیا کرتے تھے۔
ہندو بھی اس سے بدظن تھے کیونکہ وہ ان کی اکثر رسومات کا یا بند نہ تھا، بلکہ
ان سے منحرف تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب مخالف بہت زیادہ ہو گئے تو کبیر نے مجبوراً
بنارس چھوڑ کر مگر ضلع بستی میں اپنی زندگی کے باقی دن گزارے۔ کبیر
کی نظمیں لاتعداد ہیں جو اس کے شاگردوں نے زبان یاد کر لی تھیں اور جو بعد
میں کتابی شکل میں ہم تک پہنچی ہیں۔ ان کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے
کہ ان نظموں میں بہت سی ایسی ہیں جو اس کی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس کی
نظموں کا وہ مجموعہ جو سکھوں کے آدمہ گرنٹھ میں موجود ہے، ۱۶۰۴ء

کامرتب کیا ہوا ہے۔ ایک دوسرا مجموعہ بحک کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ مجموعہ کبیر کے انتقال کے بعد کبیر پیچھیوں نے شائع کیا جو کتاب الہدایت سمجھا جاتا ہے۔ اس مجموعہ کا مرتب بھگوانداس ہے جو کبیر کا خاص شاگرد تھا۔ وہ تمام نظمیں جو آدی گرنہ یا بحک میں ہیں اور کبیر کی کہی جاتی ہیں کبیر کی نہیں معلوم ہوتیں۔ کیونکہ بحک میں جو زبان استعمال ہوئی ہے وہ اودھی ہے۔ ان دو مجموعوں کے علاوہ قریب پانچ ہزار ساکھیاں اور بھی ہیں جو کبیر کی بتلائی جاتی ہیں اور اب بھی ہندوستان میں رائج ہیں۔ بنارس کے محلہ کبیر چور میں جو کبیر پیچھیوں کا صدر مقام ہے۔ سینے کتابوں کا ایک مجموعہ موجود ہے۔ جسے کبیر کا خاص گرنہ کہتے ہیں کبیر کی شاعری نامہوار طرز ادا نامانوس اور زبان بعض مقام پر ایسی ہے جو سمجھ میں نہیں آتی۔ اکثر الفاظ قواعد کی رو سے غلط ہیں اور بیشتر جملے روزمرہ کے خلاف اور بھڑے ہیں ذومعنی الفاظ اور صنائع بدائع کی چیتانیں مطلب سمجھنے میں دقتوں کو اور بڑھا دیتی ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود بھی کبیر ہندی ادب میں ایک بلند مرتبہ رکھتا ہے۔ اس نے جس مردانگی سے مذہب کی ناروار سومات اور عادات پر بلا خوف ملامت و تردید حملے کیے ہیں اور جس بے خوفی کے ساتھ اس نے خدائے واحد کی تبلیغ کی اور مذہبی احکام کی ضرورت کا احساس پیدا کیا وہ حقیقتاً قابل ستائش ہے۔ ان امور کے علاوہ بھگوانی اور طنریات میں بھی اسے بڑی قدرت حاصل تھی۔ وہ ہندی ادب کا رہبر اور ابوالبابا ہندی شاعری ہے۔

لیکن ان ناموروں کے مقابلہ میں جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں۔ یہ دعویٰ کچھ زیادہ وقیع نہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ اس نے ہندی کے مذہبی ادب کی توسیع و اشاعت میں سب سے زیادہ کوشش کی جس سے ہندی ادب میں ایک کثیر سرمایہ آگیا۔ ہندی ادب میں جو ترقی کبیر کے بعد ہوئی وہ بھی کبیر کی مرہون منت ہے۔

۷۔ ناناک۔ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ کبیر کی تعلیم نے بہت سے دوسرے فرقے پیدا کر دیئے تھے، ان میں سے ایک فرقہ سکھوں کا بھی تھا جس کے بانی گرو نانک ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ناناک کی ملاقات کبیر سے اس وقت ہوئی جب کہ ناناک کی عمر صرف بیس سال کی تھی۔ وہ کبیر کے خیالات سے بہت متاثر ہوا جس کا اظہار سکھوں کے گرنٹھ سے ہوتا ہے۔ مذہبی خیالات میں کبیر اور ناناک ایک دوسرے سے بہت نزدیک معلوم ہوتے ہیں لیکن ناناک بہ نسبت کبیر کے ہندو تہذیب سے زیادہ قریب ہے۔ ناناک نے مختلف اطراف میں سیاحت کی۔ اس کی نظموں میں پنجابی اور ہندی کا اختلاط ہے۔ گو ناناک کا مرتبہ بلحاظ شاعری کبیر سے کم ہے۔ تاہم اس کی شاعری صاف سکھری، پرمخز اور خوبیوں سے لبریز ہے۔ ناناک کا ایک بہت مشہور مجموعہ جپ جی کے نام سے موجود ہے جس میں روزانہ دعا اور عبادت کے طریقے اور منتر درج ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے بہت سی نظمیں کہی ہیں جو سکھوں کے گرنٹھ میں شامل ہیں۔ مثال۔

نانونک

गुन गोविन्द गायो नहीं जनम अकारथ कीन ।
नानक भजु रे हरि मना जेहि बिधि जल को मान ॥

گن گویند گایو نہیں جنم اکار تھ کین
نانک بجرے ہر متا جیہہ بڑھ جل کو مین

(نانک)

جس نے گویند کے گن نہیں گائے اس کی زندگی بیکار ہوئی۔
نانک کہتے ہیں کہ اسے دل تو خدا کی یاد اس طرح کر جس طرح کہ
پانی کی یاد بچھلی کرتی ہے۔ (مین معنی بچھلی)۔

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ رامانند اور کبیر کی تعلیم کی وجہ سے
متعدد مذہبی گروہ اور فرقے پیدا ہو گئے۔ اس مذہبی تحریک کی تقسیم
تین شقوں میں کی جاسکتی ہے۔

(۱) وہ جس میں رام کی پرستش اور بت پرستی تھی اس کو رامائی
مسلك کہتے تھے۔

(۲) وہ جس میں کرشن کی پرستش ہوتی تھی اسے کرشنائی مسلك
کہتے تھے۔

(۳) وہ جس میں بت پرستی کے خلاف خدا کو رام کے نام سے
موسوم کرتے ہوئے پرستش کی جاتی تھی۔

اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے ان مختلف فرقوں کی توسیع و

اشاعت کا بیان غیر ضروری ہے۔ مگر چونکہ ان تمام تحریکوں میں ہندی ادب کا استعمال ہوا ہے اور مذہبی تحریک کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہندی ادب کی بھی قدرتا ترقی ہوتی گئی۔ اس لئے ان فرقوں پر روشنی ڈالنا ناگزیر ہے۔

کرشنائی اور رامائی مذہبی تحریک کے علاوہ اور بھی چھوٹے چھوٹے

مذہبی فرقے قائم ہوئے جو حسب ذیل ہیں:۔

کبیر پنہتی۔ سکھ۔ دادو پنہتی۔ لال داسی۔ سادھ۔ دھرمی داسی۔ شیونرائٹی۔ غریب داسی۔ رام سینی۔ ست نامی۔ پران ناگتی اور جگ جیون داسی۔

کرشنائی مسلک۔ رامانند کبیر نانک اور ان کے پیرو خدا کے بزرگ

و برتر کو رام کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ رامانند بٹ پرستی کو بھی جائز رکھتا تھا لیکن کبیر اور نانک بالکل اس کے خلاف تھے۔ ہندوستان میں ایک اور بھی فرقہ تھا جو وشنوی کہلاتا تھا۔ اس کے افراد خدا کی پرستش کرتے تھے لیکن خدا کو کرشن کے نام سے یاد کرتے تھے۔ یہ فرقہ بہت پرانا تھا

اور اس لئے قابل توجہ ہے کہ اس نے بھی مذہبی ادب میں ہندی زبان استعمال کی۔ رادھا کرشن کی گیتا میں سب سے پہلے بارھویں صدی

میں جے دیو نے گیت گووند کے نام سے سنسکرت زبان میں لکھی اور اس کے بعد ہی گیت چودھویں صدی میں بنگالی زبان میں ترجمہ ہوئے۔ پندرھویں صدی کے وسط اور آخر کے زمانے میں تر سنگھ کہتا

نے رادھا کرشن کی کہانی گجراتی زبان میں نظم کی۔ اسی نرسنگھ مہتا کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے ہندی میں بھی یہ منظوم کہانی لکھی تھی۔

پندرھویں صدی کے لگ بھگ مشرقی ہندوستان میں ودیا پتی ٹھاکر جو بسالی ضلع در بھنگہ صوبہ بہار کا رہنے والا تھا نہایت مشہور و شہنوی شاعر گذرا ہے۔ اس نے موسیقی کا ایک اسکول قائم کیا تھا جو کچھ عرصہ بعد تمام بنگال میں پھیل گیا۔ اس کی زندگی کے حالات بہت کم دستیاب ہو سکے۔ سنسکرت زبان میں بھی اس نے بہت سی تصانیف کیں۔ اس کی تمام تر شہرت ان چھوٹے چھوٹے قطعات پر مبنی ہے جو اس نے بہاری (میتھلی) زبان میں لکھے۔ ان میں رادھا کرشن کی محبت کا افسانہ ہے۔ خدا سے روح کے رشتے کو ظاہر کیا ہے۔ ان میں سے بہت سے قطعات کا جیتنہ نے بنگالی زبان میں ترجمہ کیا۔ بہتوں نے ودیا پتی کی نقل کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ اس کی نظمیں ادبی حیثیت سے نہایت ممتاز ہیں کیونکہ مشرقی ہند کا ادب ان سے بہت کچھ متاثر نظر آتا ہے۔

विद्यापति ठाकुर

लोचन तूअ कमल नहि भैसक से जग के नहि जाने ।

से फिर जाय लुके नहजल भय पंकज निज अपमाने ॥

لوچن تو ادا کنول نہ بھسیک سے جگ کے نہیں جانے

سے پھر جائے لکے نہ جل بھئیہ پنکج پنچ آپ مانے

(ودیا پتی ٹھاکر)

لوہن = آنکھ نہ = محبت بھئیہ = ڈر آب مانے = بے عزت کرنا
 تو ادا = تو کھسیک = ہوسکا پنکج = کچڑ سے پیدا ہوا
 یعنی کنول تیری آنکھوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس وجہ سے ڈر کر پانی
 میں جا چھپا۔

امانیٹی بھی ودیا پتی کا ہم عصر گذرا ہے۔ اس نے بھی مٹھلی اود
 ہنگالی زبانوں میں کرشن کے بہت سے گیت لکھے۔ ودیا پتی کے زمانے
 یا اس کے کھوڑے ہی عرصہ بعد مغربی ہندوستان میں ایک شاعر
 میرا بائی گذری ہے۔ اس کی نظموں نے کرشنائی مسلک کو مغربی ہند میں
 کافی طور پر مشہر کیا۔ میرا بائی کا زمانہ غالباً ۱۷۷۰ء ہے۔ یہ ہندوستان
 کی ایک زبردست شاعرہ تھی۔ اس کی زندگی کے حالات اور تاریخ مشتبہ
 ہیں لیکن یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ راجپوتانہ کی مہارانی تھی جس کی شادی
 مہاراجہ میواڑ کے راج کنوارا بھوج راج سے ہوئی۔ تخت نشین ہونے
 سے پہلے بھوج راج مر گیا۔ میرا بائی اپنے بچپن ہی سے کرشن کی سچا رہن
 تھی، اس لئے شوہر سے اچھے تعلقات نہ رکھے۔ وہ اس قسم کی یوجا اور
 رسومات کی پابند نہ تھی جو وہاں برتے جاتے تھے۔ وہ سادھوؤں کی
 آؤ بھگت میں کثیر رقمیں خرچ کیا کرتی تھی۔ اس وجہ سے بھوج راج کے
 انتقال کے بعد اس کے بھائی کرن نے تخت نشین ہونے پر اسے اتنا
 پریشان کیا کہ وہ بھاگ کر جیتوڑ چلی گئی جہاں وہ راماند کے شاگرد
 رائے داس کی مرید ہو گئی۔ یہ غالباً ۱۷۶۹ء کا واقعہ ہے۔ میرا بائی

کرشنا کے پرستاروں میں اس فرقے کو زیادہ پسند کرتی تھی جس کے افراد پچھور
کہے جاتے تھے۔ مشہور ہے کہ ایک دن جب وہ نہایت خضوع و خشوع کے
ساتھ پرستش کر رہی تھی، کرشن نے اُسے بلالیا اور وہ غائب ہو گئی، لیکن
اس واقعہ کی صداقت مشتبہ ہے۔

رائے داس اور میرا بائی دونوں کی متعدد نظموں میں ایک دوسرے
کے گرو اور حیلہ ہونے کا ذکر ہے۔ میرا بائی نے اپنی نظموں میں کرشن کے ساتھ
ساتھ کہیں کہیں رام کو بھی بطور خدا کے لکھا ہے۔ یہ تمام نظمیں برج بھاشا
میں ہیں۔ مثال۔

میرا بائی

भज मन चरन-कँवल अविनासी ।
जेताई दीसे धरनि गगन बिच, तेताई सब उठ जासी ।
कहा भयो तीरथव्रत कीन्हे, कहा लिये करवट कासी ।
इस देही का गरब न करना, माटी में मिल जासी ।
यों ससार चहर की बाजी साँझ पड्यो उठ जासी ।
कहा भयो है भगवा पहर्यौं घर तज भये सन्यासी ।
जोगी होय जुगति नहीं जानी, उलट जनम फिर आसी ।
अरज करूँ अबला कर जोरे, श्याम तुम्हारी दासी ।
मीरा के प्रभु गिरधर नागर, काटो जम की फाँसी ।

بھج من چرن کنول ابناسی

جتائی دی سے دھرن گن تیج تے تائی سب اٹھ جاسی
کہا بھیتیرہ برکتہ کینے کہسا لے کر وٹ کاشی

اس دیہی کا گرب نہ کرنا مائی میں مل جا سی
 یوں سنسار حیر کی باجی سانچہ پڑیاں اٹھ جا سی
 کہا بھیسو ہے کھگوان پھریاں گھر تیج لیسے سنیا سی
 جوگی ہوئے جگت نہیں جانی اٹل جنم پھر آ سی
 ارج کروں ابلا کر جوڑے شیا م کھناری داسی
 میرا کے پر بھو گردھر ناگر کاٹو جم کی پکسا لسی

(از میرا بانی)

ایتنا سی = دوام گگن = آسمان دھرن = زمین گرب = غرور
 کھگوان = گیر و لباس۔

ترجمہ۔ اے دل تو خدا کی طرف اپنے کو لگا۔ موجودات عالم فانی ہیں۔
 حیر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تجھے غرور نہ کرنا چاہیے کیونکہ تیرا جسم خاکی
 ہے پھر خاک میں مل جائے گا۔ دنیا ایک شعبہ بازی ہے جسے آخر کار
 تجھے چھوڑنا ہوگا۔ گیر وے کپڑے پہنے اور گھر چھوڑ کر تارک الدنیا ہونے
 سے کوئی فائدہ نہیں۔ جوگی ہو کر اگر تو حق کو نہ پہچانا اور حق کے راستہ کو نہ پایا
 تو دوبارہ تجھے انسان کے جنم میں آنا ہوگا۔ میرا بانی ہاتھ جوڑ کر درخواست
 کرتی ہے کہ اے میرے رب میں تیری بندی ہوں تو مجھے دنیا سے
 نجات دے۔

ارج = عرض باجی = بازی فارسی ہیں۔
 کرشن کی پرستش کی وسعت و لبہ اچار یہ کی بہت کچھ مرہون منت

ہے۔ یہ جنوبی ہندوستان کے ایک برہمن کا لڑکا تھا۔ ۱۷۶۹ء میں بمقام
بتارس پیدا ہوا۔ گو برہمن میں کرشن کی ایک مورت بنائی اور اس جگہ کو اپنا
صدر مقام قرار دیتے ہوئے کرشنائی تحریک کی تبلیغ ہندوستان کے مختلف
حصوں میں کی۔ اس نے سنسکرت زبان میں بہت سی تصانیف کیں۔
لیکن ہندی میں کچھ نہ لکھا حالانکہ کرشنائی تحریک میں بہتوں نے تصانیف
کیں تھیں۔ اسلئے اس میں انتقال کیا اور اپنی جگہ اپنے بیٹے وکھل ناٹھ
کو مقرر کیا۔

وکھل ناٹھ کا زمانہ ۱۵۱۵ء لغایت ۱۵۵۵ء ہے۔ اس نے

اپنے آباؤ اجداد کی تحریک کی اشاعت کی۔ اس کی تصانیف ہندی میں ہیں۔
اس نے ہندی نشر میں ایک کتاب ”سنگار راس منڈل“ لکھی جس
میں رادھا کرشن کی کہانیاں ہیں۔ اُسے ہندی نشر کا بیلا کار نامہ کہا
جاتا ہے جو برج بھاشا میں ہے دلبرہ اجاریہ کے چار شاگرد اور
وکھل ناٹھ کے چار شاگرد جملہ آکھ نے اشٹ چھاپ کے نام سے
بہت کچھ ادبی خدمت کی ہے۔

گوسوامی ویٹھل ناٹھ

پ്രथم کی سखी कहतु है । जो गोपीजन के चरण विषे सेवक
की दासी करि जो इनको प्रेमामृत में इबि कै इनके मन्दहास्य ने
जीते है । अमृत समूह ताकरि निकुञ्ज विषे शृंगार रस श्रेष्ठ
रसना कीनो सो पूर्ण होत भई ।

پرتھم کی سکھی کہت ہے۔ جو گوی جن کے چتر و شے سیوک کی داسی
 کرے جو ان کو پریم امرت میں ڈوب کے ان کے مندر ہاسیہ نے جیتے ہیں۔
 امرت سموہ تا کر تکنج و شے شرنگار رس سرسٹھ رشنا کینو سو پوزر نہیں۔
 (از سرنگار رس مندر)
 پرتھم = اول مندر ہاسیہ = تیسرے کنج = کنج سرسٹھ = نہایت عمدہ

اشٹ چھاپ

अष्टछाप

اشٹ چھاپ سے مراد اکٹھ مہریں ہیں۔ ولہرہ اچار یہ کے شاگرد جنھیں
 اشٹ چھاپ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ہیں۔
 (۱) سور داس (۲) کرشن داس (۳) برمانند داس (۴) اوکھن
 داس اور وکھل داس کے شاگرد (۱) چتر بھج داس (۲) جھٹ سوانی
 (۳) نند داس اور (۴) گوند داس ہیں۔ یہ سب سوٹھویں صدی کے
 آخری نصف حصے میں ہوئے ہیں۔ اور اچار یہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔
 جو گوہر دھن ضلع متھرا میں قائم ہوا۔ یہ آنکھوں شاگرد برج بھاشا کے
 اپنے زمانے کے بہترین شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ اور اس لئے جو نظمیں
 انھوں نے لکھی ہیں وہ مغربی ہند کی بہترین زبان میں شمار کی جاتی ہیں۔ ان
 کی زبان برج بھاشا کہتی جو اضلاع متھرا، بندرا بن اور ان کے گرد و نواح
 میں بولی جاتی تھی جسے برج کہتے ہیں۔ ہندی کی وہ تمام شاعری جو کرشن
 کے پرستاروں نے کی برج بھاشا میں ہے اور یہ زبان ہندی شاعری

کی بہترین زبان سمجھی جاتی ہے۔

(۱) سور داس

امشٹ چھاپ کا سب سے مشہور شاعر سور داس تھا۔ اس کی زندگی کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بابو رام داس برہمن کا لڑکا تھا۔ جوشہنشاہ اکبر کے دربار کا مفتی تھا۔ آٹھ برس کی عمر میں یہ اپنے والدین کے ساتھ متھرا گیا اور بھگت ہو گیا۔ اگرہ اور متھرا کے درمیان بمقام گاؤ گھاٹ رہتے لگا اور وہیں ولیمہ اچارنیہ کا شاگرد ہو گیا۔ اس نے اپنے بعض اشعار کی شرحوں میں اپنے خاندان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ چاند پر دالی کی اولاد سے ہے۔ اس کے باپ کا نام رام چندر اور اس کے دادا کا نام ہریش چندر تھا جو اگرہ میں رہتے تھے لیکن بعض لوگ اُسے برہمن خیال کرتے ہیں۔ اس کی نظم کے اس حصے کو جہاں اس نے اپنے خاندان کے متعلق لکھا ہے غیر مستند اور الحاقی سمجھتے ہیں۔ اُس کا باپ گوب چال میں رہتا تھا۔ اس کے سات بیٹے تھے جن میں سے چھ مسلمانوں سے جو لڑائیاں ہوئیں ان میں مارے گئے۔ سور داس اندھا اور ناکارہ ہونے کے باعث زندہ رہا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے کرشن کا جلوہ دیکھا جس کے بعد اس کے لئے دنیا تاریک ہو گئی۔ روایت کی رو سے اس کی پیدائش ۱۵۸۳ء میں ہوئی اور انتقال ۱۵۶۳ء میں لیکن یہ تاریخیں مشتبہ ہیں۔ تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ وہ یا تو مادر زاد اندھا تھا یا اپنی زندگی میں کسی وقت اندھا ہوا۔ اس کی شہرت اگرہ کے اندھے شاعر کے نام سے ہے۔

سور داس نے ہندی شاعری میں نئی نئی طرزیں ایجاد کیں۔ بہت سے واقعات
 بھگوت پوران کے اس نے جدید شاعر میں نظم کئے۔ رادھا کرشن کا قصہ بھی
 نظم کیا جو صورت گرا اور سوراولی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی کتاب سنا صہیتہ
 بہاری میں درشت کوٹ (दृष्टिकोट) (تمثیلی) نظمیں موجود ہیں جو نہایت
 مشکل ہیں اور جن کی شرح اس نے خود لکھی ہے۔ اس نے ہندی میں نل اور
 دیشنتی (नलदमयन्ती) کا قصہ بھی نظم کیا جس میں تقریباً پچھتر ہزار اشعار
 ہیں۔ سور داس کا مرتبہ ہندی ادب میں بہت ممتاز ہے۔ ہندی کے بعض
 ادیب سور داس کو تلسی داس پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن بعضوں کا خیال ہے
 کہ سور داس کو تلسی داس پر سبقت نہیں دی جاسکتی۔ ہندی کا ایک
 مشہور شعر ہے۔

सूर सूर तुलसी ससी उडगन कैसे दास ।

अब के कवि खद्योतसम जहँ तहँ करत प्रकास ॥

سور سور تلسی سسی اڈگن کیسو داس

اب کے کوی کدیوت سم جینہ تینہ کرت پرکاس

ترجمہ۔ سور آفتاب ہے تلسی ماہتاب ہے۔ کیسو داس ککشاں

ہے اور آج کل کے شعراء جگنو کے مانند کبھی کبھی روشنی دیتے ہیں۔

سور داس حقیقتاً ایک زبردست شاعر گذرا ہے۔ ان کی شاعری

صنائع بدائع تشبیہات واستعارات سے بھرپور ہے جس کی مثال دیگر ہندی

شاعری میں بہت کم ملتی ہے۔ دربار اکبری کے ایک گم نام شاعر کا شعر

ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

گنگ غزلیات میں بیرل کوتا میں کیشو معنی کی گہرائی میں بہت مشہور
ہیں لیکن سورداس میں یہ تمام خوبیاں مجتمع ہو گئی ہیں۔ مثال۔

سورداس

مैया कबहिं बढैगी चोटी ?

किति बार मोहिं दूध पिवत भइ यह अजहूँ है छोटी ।
तू जो कहत बल की बेनी ज्यों हूँ है लांबी मोटी ।
काढ़त गुहत न्हावत औछत नागिनि सी भुंइ लोटी ।
काचा दूध पिवावत पचि-पचि देत न माखन रोटी ।
'मूर' भ्याम चिरजिय दोउ भैया हरि हलधर की जोटी ।

میا کبھیں بڑھے گی چوٹی

کئی بار مورو دودھ پیت بھئی یہ اہیوں ہے چھوٹی
تو جو کہت بل کی بینی جیو ہوئے ہے لانی سوٹی
کاڑھت گھٹ نہات اونچھت ناگن سی بہوئی لوٹی
کاچو دودھ پواوت تیج تیج دیت نہ ماکھن روٹی
سور مشیام جیر جیو دودھ بھیتا ہر ہلدھر کی جوٹی

(از سورداس)

اس یاد میں سورداس یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کرشن اپنی ماما سے پوچھتے
ہیں کہ اگلے ماما میری چوٹی کب بڑھے گی کتنی مدت سے میں دودھ پیتی رہا

ہوں۔ لیکن یہ ابھی ونسی کی ونسی ہی چھوٹی ہے۔ تو تو کہا کرتی تھی کہ دودھ پینے سے یہ چوٹی میرے بھائی بلدیو کی طرح بڑی ہو جائے گی تو یہ کہاں ہوئی؟

اور تم یہ بھی کہتی تھیں کہ اس کو دھونے سے ستوارنے سے بنانے سے یہ زمین پر ناگن کی طرح لوٹنے لگتی ہے۔

اسی اُمید میں تو مجھے کچا دودھ ضرورت سے زیادہ پلاتی رہی اور مکھن بوٹی نہیں دی۔

سوردا اس کہتے ہیں کہ کرشن اور بلدیو کی جوڑی عرصہ دراز تک زندہ اور سلامت رہے۔

بہنی = چوٹی

چیسر چیسو = عرصہ تک زندہ اور سلامت رہے۔

(۲) کرشن داس سپہیاری | کی شاعری سوردا اس سے ملتی جلتی ہے اس نے بہت سی ترنم آمیز نظمیں لکھی ہیں۔ اس کی بہترین تصنیف پریم تست ہے۔ کرشن داس کے بہت سے شاگرد تھے وہ سب کے سب شاعر تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر داس بھی انھیں لوگوں میں کھاجونا بھاداس مصنف کھگت مالا کا معلم تھا۔

سوردا اس کے بعد اشٹ چھاپ میں جس کو عظمت حاصل ہوئی وہ نند داس ہے۔ یہ ایک برہمن تھا۔ لیکن بعضوں کا خیال ہے کہ وہ کسی داس

کا بھائی تھا۔ اس کے متعلق ایک کہاوت ہے۔

(اور کو گرٹھیا نندا اس جڑیا)

یعنی اور سب تو اشعار گرٹھتے ہیں لیکن نندا اس اشعار کو معنی سے جڑ دیتا ہے جیسے نگینے جڑے جائیں اس نے بہت سی تصانیف کی ہیں اور کثیر تعداد میں مختلف اشعار لکھے۔ اس کی ایک مشہور نظم: بیچ دھاتی ہے جو سنسکرت کی گیت گووند کے طرز پر لکھی گئی۔ ایک اور نظم کھنور گیت بھی کہتا ہے۔

گوکل ناٹھ | یہ وٹھل ناٹھ کے بیٹے تھے۔ ان کی ایک مشہور تصنیف چوراسی دارتا ہے۔ جس میں چوراسی

قصے دلچھ اپار یہ کے پیروی کرنے والوں کے درج ہیں۔ یہ کتاب بھگت مالا سے پہلے کی تصنیف ہے۔ اس کی کتاب میں کرشن کے عشقیہ مضمون پر زیادہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ ادبی نقطہ نگاہ سے یہ کتاب بہت اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہ ہندی نشر کا قدیم ترین نمونہ ہے۔ اس کا اسلوب بیان نہایت سادہ اور صاف ہے۔ باوجودیکہ کتاب ساڑھے تین سو برس پہلے کی تصنیف ہے لیکن اس کی عبارت اور موجودہ برج بھاشا میں بہت کم فرق ہے۔

کرشنائی مسلک کے پیرو دلچھ اپار یہ یعنی رادھا بھگت فرقہ اور ری داسی فرقہ بھی تھا۔ دلچھ اپاری فرقے کے دو یا تین اشخاص بھی بہت مشہور گذرے ہیں جو سب کے سب ہندی شاعر تھے بھگوان چیت

وٹھل ناتھ کا شاگرد تھا۔ اس نے کرشنا کے قصے کو نہایت عمدہ طریقے سے لکھا۔
 اس کہان جس کا پہلا نام ستید ابراہیم تھا یہ بھی کرشنا کا پرستار ہو گیا اور اس
 نے بہت سے اشعار اس کی تعریف میں لکھے جو جذبات سے پُر اور شیریں ہیں۔
 اس کہان کا ایک مشہور شاگرد قادر بخش تھا۔ ہندی میں شعر کہا کرتا تھا۔

۱۵۸۵ء میں ایک فرقہ رادھا بلجھ کے نام سے بندرا بن میں پیدا ہوا جس نے رادھا کو

رادھا بلجھ فرقہ

کرشنا پر ترجیح دی۔ اس کا بانی ہری وٹسا ہے جسے بہت پرشس یاہست بھی
 بھی کہتے ہیں۔ اس کا باپ ویاس تھا جو گور برہمن تھا اور مسلمان بادشاہوں
 کی ملازمت میں تھا۔ اس کی ہندی کی ایک مشہور تصنیف چوراسی پر یا
 پریم کتا ہے۔ اس میں شہوانی جذبات کو برا نگینہ کرنے والی بہت سی
 نظمیں ہیں۔ ہندی ادب میں ہر وٹسا کا مرتبہ بحیثیت شاعر بہت بڑا
 ہے۔ اس فرقے کے بہت سے لوگوں نے ہندی شاعری کی ہے جن میں
 سے ناگری داس سولھویں صدی کے اخیر میں اور دھرداس ۱۶۳۳ء
 میں گذرا ہے۔ ان کی بہت سی تصانیف موجود ہیں۔ ۱۷۴۳ء میں
 بندرا بن جی جاچا یا بھی ایک مشہور ہندی شاعر گذرا ہے۔ اس نے
 کرشنا کی تعریف میں نہایت اچھی نظمیں لکھی ہیں۔

بندرا بن میں ایک اور فرقہ ہری داسیوں کا
 تھا جس کا بانی سوامی ہری داس تھا جو
 سولھویں صدی کے اخیر اور سترھویں کے شروع میں گذرا ہے۔ اس

ہری داسی فرقہ

فرقے والے بھی کرشن کے پرستار تھے۔ اس کی تعلیم جیتنے سے بہت کچھ ملتی چلتی ہے۔ سنسکرت کے علاوہ ہندی میں بھی بہت سی نظمیں اس فرقہ کے مختلف شعراء نے لکھیں جن میں سے بدھتارن۔ سدھانت اور رس کے یہ مشہور ہیں۔ ہری داس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک اچھے شاعر کے لئے ضروری ہیں۔ سیتل اور سما چاری سرن اس فرقے کے مشہور شاعر گذرے ہیں۔ سما چاری کی ایک نظم للت پرکاش بہت مشہور ہے جس میں اس نے ہری داسی فرقے کے بانی کی تعلیم کی تبلیغ کی ہے۔

کرشنائی فرقے کے دیگر شعراء | گدا دھر کھٹ جو ۱۵۶۵ء میں گذرا ہے۔ جیتنے گردہ سے متعلق

کہا۔ اس نے کرشنائی کی تعریف میں بہت سی نظمیں لکھیں۔ جو یے بھی کرشنائی فرقے کا اچھا شاعر تھا۔ اس کی ست سستی میں کرشنائی زندگی کے مختلف شعبوں کا ذکر ہے۔ (مثال)۔

या अनुरागी चित्त की गति समुझे नहि कोय ।
 ज्यां ज्यां हवे ग्याम रंग त्यां त्यां उज्जवल होय ।
 इन दुखिया अखियान को सुख सिरजोई नाहि ।
 देखत बन न देखते भिन देखे अकुनाहि ।

(۱) یا آراگی حیر کی گت سمجھے نہیں کوئے
 جیوں جیوں ڈوبے شیا م رنگ تیوں تیوں اقل ہوئے
 یعنی اس محبت کرنے والے دل کی حالت کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ جتنا
 جتنا شیا م (کرشن یا کالا رنگ) میں ڈوبتا ہے اتنا ہی صاف ہوتا جاتا ہے۔

(۲) ان دکھیا انکھیاں کو سکھ سر جوئی نائیں
 دیکھت بنے نہ دیکھتے بن دیکھے اکو لائیں

یعنی ان بیمار آنکھوں کے لئے چین پیدا ہی نہیں ہوا۔ ان سے نہ
 تو اپنے معشوق کو دکھایا ہی جاتا ہے اور نہ بغیر دیکھے رہا جاتا ہے۔

(از مہاری لال)

یہ ایک مسلمان عورت کھتی جو سترھویں صدی کے پہلے نصف
 تاج حصے میں پیدا ہوئی۔ یہ کرشن کی پرستار کھتی اور اس کی
 تعریف میں نہایت عمدہ اشعار کہے ہیں۔

سُنو دِل جانی مَے دِل کی کھانی تُم،
 دُستِ دِلِ وِکانی دُدا نامی مَی سَہُگی مَی !
 دِے پُجا بَنی مَی نِیوا جھُ بھُلانی،
 تَے کَلما کُراں سارے گُنا نِی گَی مَی !
 سَویلا سَلونا سِرتا ج سِیر کُللے دِیے،
 تَے نہ دِاگ مَی نِیوا بھُ رہُگی مَی !
 نَند کے کُمار، کُربان تَے سُرَت پَے
 ہوں تو مُگلا نی دِہندوانی ہوں رہُگی مَی !

سُنو دل جانی میرے دل کی کہانی تم
دیو یو جا کھٹانی میں بناج ہو کھلانی
ساتو لاسلو تا سرتاج سرگلے دیئے
تند کے کمار کرباں تیری صورت پر
دل ۔ دست ۔ نماز ۔ کلمہ ۔ قرآن ۔ سرتاج ۔ کلمہ ۔ قربان ۔ صورت ۔
مغلانی فارسی الفاظ ہیں ۔
(از تاج)

۱۶۵ء میں یہ بھی ایک اچھا شاعر گذرا ہے جس نے بھگوت
پُران کے دسویں باب کا ترجمہ ہندی میں کیا جو مال کنبد
لیلا کے نام سے مشہور ہے ۔

۱۶۳۲ء میں ہوا ہے ۔ ریاست کارہنے والا
کھا ۔ ایک مشہور کالستھ خاندان سے تعلق رکھتا
کھا ۔ اس کی ایک کتاب سیٹھ ساگر ^{सिंहसागर} لکھی جس میں رادھا
اور کرشن کا افسانہ نظم کیا ہے ۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں اور بھی نظمیں ہیں ۔
۱۶۱۱ء میں بیسوارہ کا ایک برہمن گذرا ہے جس نے کرشنا
مان کھنڈ کا ترجمہ کرشنا کلول کے نام سے کیا ۔

۱۶۱۱ء میں بیسوارہ کا ایک برہمن گذرا ہے جس نے کرشنا
مان کھنڈ کا ترجمہ کرشنا کلول کے نام سے کیا ۔
۱۶۱۱ء میں بیسوارہ کا ایک برہمن گذرا ہے جس نے کرشنا
مان کھنڈ کا ترجمہ کرشنا کلول کے نام سے کیا ۔
۱۶۱۱ء میں بیسوارہ کا ایک برہمن گذرا ہے جس نے کرشنا
مان کھنڈ کا ترجمہ کرشنا کلول کے نام سے کیا ۔
۱۶۱۱ء میں بیسوارہ کا ایک برہمن گذرا ہے جس نے کرشنا
مان کھنڈ کا ترجمہ کرشنا کلول کے نام سے کیا ۔

سندری کنواری بائی

اس کا زمانہ ۱۷۶۸ء تا ۱۷۹۸ء ہے۔

یہ راج سنگھ مہاراجہ روپ نگر اور کرشن گڑھ کی لڑکی تھی۔ اس کا خاندان براکھور تھا۔ اس کی شادی بلجھدر سنگھ مہاراجہ رگھوگڑھ کے ساتھ ہوئی۔ اس کے خاندان میں بہت سے شاعر گذرے ہیں۔ اس نے خود بھی بہت سی مذہبی نظمیں کرشنا کی تعریف میں لکھیں۔

منجھت دھوج

یہ بند لکھنڈ کا رہنے والا تھا۔ اس کی دو کتابیں نہایت مشہور ہیں۔ سر بدھان لیلان کرشن کے

بچپن کا حال اور کرشنا بان میں کرشن کی زندگی کے حالات لکھے ہیں۔ اس کی نظمیں شاعری کے نقطہ نظر سے نہایت عمدہ ہیں۔

بی بی رتن کنور

یہ بنارس کی رہنے والی تھی۔ ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئی۔

راجہ شیو پرشاد کی دادی تھی۔ چھوٹوں نے دسویں صدی

میں ہندی ادب کی بہت امداد کی۔ رتن کنور نے پریم رتن میں کرشن کے پرستاروں کا حال لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے اور بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔

کرشنائی ادب کے متعلق عام خیالات

کرشنائی شعرو ادب کا زیادہ

حلقہ کرشنا اور اس کی گوبیوں

اور خصوصاً رادھا کے حالات سے پر ہے۔ اس دور کے مشہور ادیبوں نے ان مطالب پر عارفانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ ان کی نظروں میں کرشنا کا وجود خدا کا وجود تھا جو سر اسر محبت کا مجسمہ کہا جاتا ہے۔ رادھا اور کرشن کے گوبی دوسرے لوگوں کی روح کے مانند ہیں جس میں رادھا

خاص طور سے اس کی روح ہے جو خدا کا حقیقی پرستار ہے اور وہ سب کچھ جو اس کے پاس ہے خدا پر نثار کرنے کے لئے تیار ہے۔ تمام نظمیں جو اس تحریک سے متعلق ہیں ان کے مصنفین اور شعراء نے نہایت عاشقانہ انداز اور جذبات میں اہجان پیدا کرنے والے خیالات کا استعمال کیا ہے جس سے رادھا کی خود فراموش محبت اپنے عاشق کے لئے ظاہر ہوتی ہے تعجب کی بات یہ ہے کہ نظموں میں ناکفنی جذبات و اثرات کا اظہار کرتے ہوئے بھی ان کا تقدس ان کے قدم کو کسی دوسری جانب ڈگنے نہ دیتا تھا اور وہ کسی ناپاک جذبے سے متاثر نہ ہوتے پھر بھی اس قسم کے واقعات و خیالات کا ادب میں ہونا خطرے سے خالی نہیں۔ کیونکہ اکثر ایسے ادب نے نوجوانوں کو ظاہری حسن و عشق میں مبتلا کر دیا ہے اور وہ کیریکٹر کی خامی کی وجہ سے دوسری طرف بہ گئے ہیں۔

اس باب میں جن شعراء کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے بعض نہایت ممتاز ہیں۔ اس دور میں حسن الفاظ اور صناعی ہندی ادب میں نہایت نمایاں طریقے سے آگئی تھی۔ کرشنائی فرقے کا مرکز مٹھ رکھا جو سلطنت مغلیہ کے دارالسلطنت سے بہت قریب ہے۔ سوردا اس درباری شعراء میں سے تھا اس لئے ممکن ہے کہ سلطنت کی قربت اور سوردا اس کے درباری شاعر ہونے کی وجہ سے ہندی شعراء میں الفاظ کی صناعی صنائع بدائع کے استعمال کا موبد ہوا ہو۔ بہر حال اس کی وجہ کچھ بھی ہو لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ برج بھاشا اُس زمانہ سے اب تک ہندی شاعری کا بہترین گوارہ سمجھی جاتی ہے۔

رامائی تحریک | بھگتی کال کی دوسری تحریک رامائی تحریک تھی۔ اس تحریک میں وہ لوگ شامل تھے جو رام کے پرستار تھے۔ ان میں سب سے مہتمم بالشان ہستی تلسی داس کی ہے جس کی رامائی نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام دنیا میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے۔ تلسی داس کی زندگی کے حالات بہت کم دستیاب ہوئے۔ وہ ۱۵۳۲ء میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام آتھارام اور ماں کا نام ہولا تھی۔ پہلے اس کا نام رامبولا تھا۔ فقیر ہو جانے پر تلسی داس کے نام سے مشہور ہوا۔

جائے پیدائش یقینی طور پر معلوم نہیں غرضوں کا خیال ہے کہ وہ ہستناپور میں پیدا ہوا اور بعضے کہتے ہیں کہ وہ حاجی پور میں پیدا ہوا جو حیرکوٹ کے قریب میں ایک قصبہ ہے۔ لیکن عام طور پر یہ تسلیم ہے کہ وہ راجا پور ضلع باندہ میں پیدا ہوا تھا اور قنوجی برہمن تھا۔ نہ ہر داس اس کا گرو تھا جو رامانند سے چھ نسل قبل گذرا ہے۔ رامائن کے دیباچہ میں بتلایا ہے کہ اس نے سوردوں میں تعلیم پائی۔ جوانی میں وہ اپنی بیوی سے بہت محبت رکھتا تھا۔ ایک روز جبکہ اس کی بیوی اپنے میکے گئی ہوئی تھی تو وہ اسے رخصت کرانے کے لئے روانہ ہوا۔ اندھیری رات میں کہیں کہیں پر آشوب دریا کو عبور کرتا ہوا وہاں پہنچا۔ اس کی بیوی نے اس کی اس حرکت پر لعنت ملامت کی اور کسا کاشن سمجھیں یہ محبت رام کے ساکھ ہوتی تو تمام دنیا سوتے کی ہو جاتی۔

تلسی داس پر اس بات کا اتنا اثر ہوا کہ صبح ہوتے ہی وہ روانہ ہو گیا اور رام کا پرستار ہو کر بنارس میں مقیم ہوا۔ جہاں اس نے اپنی زندگی کا بیشتر

حصہ گزارا۔ سوروں۔ اچودھیا۔ چترکوٹ۔ پریاگ اور بندرا بن کا سفر بھی کیا۔ ناگھاداس مصنف کھگت والا اس کا دوست تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سورداس بھی اس سے ملنے بنارس آیا تھا۔ تلسی داس کسی دربار کا شاعر نہ تھا۔ راجہ مان سنگھ اور عبد الرحیم خاں خاناں اس کے دوست تھے۔ اس کی شاعری زمانے کے ادب سے متاثر نظر آتی ہے۔ ۱۶۱۴ء میں بمقام بنارس انتقال کیا۔

رامائن اس کا بہترین کارنامہ ہے جس کو وہ خود رام چریترا مانس (रामचरित मानस) کہتا تھا۔ یعنی رام کے کارناموں کی تھیل۔ اس نے دیباچے میں بیان کیا ہے کہ یہ کتاب ۱۵۷۵ء میں شروع کی۔ یہ قصہ بہت پہلے بالمیک نے لکھا ہے جو حضرت مسیح سے چار سو برس قبل گذرا ہے۔ تلسی داس کی رامائن بالمیک کی رامائن کا ترجمہ نہیں ہے۔ گو قصہ وہی ہے مگر اس کے طرز بیان میں بڑا فرق ہے۔ یہ دونوں کتابیں قہقہے کی موٹی موٹی باتوں میں بھی یکساں نہیں۔ نہ صرف بعض واقعات ہی بدلے ہوئے ہیں بلکہ واقعات کو مختلف رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ دونوں کا مذہبی نظریہ ہے۔

بالمیک رامائن کے دوسرے اور چھٹے کانڈ میں رام کو محض ایک انسان کی حیثیت میں پیش کرتا ہے۔ لیکن تلسی داس نے اپنی تمام نظمیں خدا کے اوتار کے طور پر پیش کیا ہے۔ تلسی داس کے اسی نظریہ کو ایک اور شاعر نے بھی اپنی ادھیاکھما (अध्यात्म) رامائن میں پیش کیا ہے جو منسکرت

میں ہے اور چودھویں صدی کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تلسی داس رامائن لکھنے میں اس کتاب سے متاثر ہوا ہو کیونکہ مذہبی نظریہ کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں دونوں میں یکساں ہیں۔ دونوں کتابوں کو بنظر غور دیکھنے سے یہ بخوبی روشن ہو جائے گا کہ تلسی داس نکات شاعری کے لحاظ سے ادھیارتی رامائن کے مصنف سے بہت بہتر ہے۔ تلسی داس نے دیگر شعراء کی طرح مذہبی تحریک کے ماتحت شاعری کی اور مروجہ زبان استعمال کی۔ اُسے اس کا خوب احساس تھا کہ وہ پٹنہ جو صرف سنسکرت زبان کے استعمال کو جائز سمجھتے ہیں اس کی اس حسارت کو بنظر تحسین نہ دیکھیں گے۔ رامائن کے دیباچے میں تلسی داس نے اپنے معترضین کے متعلق یوں لکھا ہے میرا نصیب خراب ہو، لیکن میرا عزم عظیم ہے مجھے اس کا یقین ہے کہ اہل ذوق توجہ سے میری بات سنیں گے اور نا اہل ہنسیں گے۔ نا اہلوں کی ہنسی میرے لئے خوشی کا باعث ہوگی۔ کیونکہ نہ تو انھیں شاعری سے دلچسپی ہے اور نہ رام سے محبت، میں خوش ہوں کہ وہ مجھ پر ہنستے ہیں۔ اگر میری حقیر شاعری اور اس کے مضامین ہنسی کے مستحق ہیں تو انھیں سنسنے دو۔ اگر ان پر خدا کی حقیقت روشن نہیں تو انھیں میرا قصہ بے مزا معلوم ہوگا۔ لیکن ان اشخاص کو جن کو ہری کی حقیقی محبت ہے رکھو بر کی کہانی شہد کے مانند شیریں معلوم ہوگی) ترجمہ از رامائن۔

وہ جس قبول جو تلسی داس کی اس نظم کو حاصل ہوا۔ اس کا سب سے بڑا انعام ہے۔ شمالی ہند کی ہندی قومیت میں بجز چند سنسکرت داں

پنڈتوں کے ہر امیر و غریب پیر و جوان خواندہ یا ناخواندہ شاید ہی کوئی ایسا ہو جو رامائن پسند نہ کرتا ہو۔ اس کتاب کی ہندوؤں میں وہی وقعت ہے جو نصاریٰ میں انجیل کی۔ رامائن کی ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں بھی دلچسپی سے خالی نہیں جو عرف کرشن کے پرستار ہیں۔ تلسی داس نے ایک جگہ اس کتاب کو رام کے کارناموں کی تھیل کہا اور وجہ تسمیہ یوں بتائی ہے (نفسانی خواہشیں مانند سارس اور کوڑوں کے ہیں جو اس تھیل کے قریب نہیں آتے کیونکہ اس میں گھونگھے۔ مینڈک یا کائی نہیں ہے اس لئے لالچی کوڑے اور سارس اس تھیل کے قریب نہیں آتے اور اگر آتے بھی ہیں تو ناکام ہو جاتے ہیں)۔ یہاں گھونگھے۔ مینڈک اور کائی سے مراد ناروا قصے ہیں جو رامائن میں شامل نہیں اور کوڑے اور سارس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں رامائن اس وجہ سے غیر دلچسپ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں قصے کہانیاں نہیں ہیں۔ تلسی داس کا یہ بیان بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ رامائن اس زمانے سے اب تک نہایت اعلیٰ طبقے کی کتاب سمجھی جاتی ہے اور پڑھنے والوں کے لئے شاندار نصب العین پیش کرتی ہے۔

تلسی داس نے رامائن میں بیسواری یا ادھی زبان استعمال کی ہے جو مشرقی ہند میں بولی جاتی تھی۔ بہت سے الفاظ خصوصاً برج بھاشا کے استعمال کئے ہیں۔ روزمرہ کا استعمال زیادہ ہے۔ الفاظ کا رد و بدل جائز رکھا گیا ہے۔ ردیف اور قافیے کی غرض سے ان کے تلفظ کی تبدیلی بھی درست سمجھی گئی ہے۔ دیگر شعراء کی طرح تلسی داس نے بھی فرسودہ

تلمیحات واستعارات جی کھولی کراستعمال کئے ہیں۔ مثال

تولسی दास

रघुवंसिन्ह कर सहज सुभाऊ, मन कुपंथ पंगु धरै न काऊ ।
मोहि अतिशय प्रतीत मन केरी, जेहि सपनेहु पर-नारि न हेरी ।
जिन्ह कै लहहि न रिपु रन पीठी, नहि लावहिं परतिय मनु डीठी ।
मंगन. लहहिं न जिन्ह कै नाहीं, ते नरवर थारे जग माहीं ।

करत बतकही अनुज सन, मन सिय रूप लुभान ।

मुख-सरोज-मकरन्द छवि, करै मधुप इव पान ॥

(रामचरित मानस)

رگھو بنس کر سیج سجھاؤ من کو پیچھ پگ دھرے نہ کاؤ
موسے آتشے پرشیت من کیری جیہ سپنیو پر نارے نہ ہیری
جن کے ملے نہ رپ رن پیٹھی نہ سلاؤ پر پیچھ من ڈیٹھی
من گن نہیں نہ جن کے ناہیں تے نہ روا تہورے جگما ہیں
کرت بتکی اُج سس من سیاروپ لہمان
لکھ سرورج مکرند چھپ کرے مدھپ ادیان

(از رام چندر مانس)

رگھو کے خاندان والوں کی فطرت ہے کہ ان کا دل کبھی بڑے راستے
پر نہیں جاتا۔ میں نے خواب میں بھی کسی دوسری عورت کو نہیں دیکھا۔
اس لئے مجھے اپنے اوپر یقین ہے۔ رگھو کے خاندان کے لوگ دشمن
کو بڑا الی میں بھی پیچھ نہیں دکھاتے اور نہ کسی دوسرے کی عورت پر نظر

ڈالتے ہیں۔ سائل بھی ان کے دروازے سے بے مراد واپس نہیں ہوتا۔
ایسے شخص دنیا میں بہت کم ہیں۔

چھوٹے بھائی لکھن کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے رام کا
دل سینٹا کی طرف مائل ہوا جس طرح سے پھولوں کے زیرے
سے بھونرا فرحت حاصل کرتا ہے اسی طرح سے رام سینٹا کے
حسن سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

رامائن میں بہت سے ایسے مقامات ہیں جن کے مطالعہ سے
یہ معلوم ہوتا ہے کہ تلسی داس مناظر قدرت کا حقیقی پرستار تھا۔ اس نے
بادشاہ دسرکھ کے کرب اور بے چینی کو یوں بیان کیا ہے کہ وہ ماہی بے آب
کی طرح تڑپ رہے تھے۔

رامائن سات کھنڈ یا حصوں میں منقسم ہے۔ بال کانڈ۔ اجودھیا کانڈ۔
آرنیہ کانڈ۔ کشکندھیا کانڈ۔ سندر کانڈ۔ لنکا کانڈ اور اتر کانڈ۔

ان میں سے دوسرا کانڈ جس میں رام کی جلا وطنی کے وقت اجودھیا
کی سرسیمگی پریشانی اور بے خانمائی کا نقشہ کھینچا ہے بہترین سمجھا جاتا
ہے۔ قریب قریب ہر کانڈ میں مناظر قدرت اور جذبات غم کی سچی لائق کشی
کی گئی ہے۔ دسرکھ کا غم۔ رام کی نیکی۔ والدین کے حکم کی اطاعت۔ سینٹا
کی شوہر پرستی۔ لکھن کی ہمت اور جوش۔ بھرت کے غیر خود غرضانہ رویہ
کا اظہار۔ تلسی داس نے اس طرح نظم کیا ہے کہ پڑھنے والے تلسی داس
کی قابلیت کی داد دے بغیر نہیں رہ سکتے۔ تلسی داس کی غرض رامائن

لکھنے سے صرف یہ نہ کہتی کہ وہ ایک اچھا افسانہ نظم کر دے۔ اس نظم سے
 اس کی مراد مذہبی تبلیغ تھی۔ کرشنانی تحریک کے دیگر رہنماؤں کی طرح
 تلسی داس بھی ویدکی تعلیم کا قائل تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ تمام
 صفات جو خدا کی طرف منسوب کئے جاتے تھے، رام کو ان کا مجسمہ سمجھتا
 تھا۔ اس کی یہ نظم خدا کی پرستش کے لئے ایک پُر زور اپیل ہے۔ بلاشبہ
 رامائن ایک ایسی نظم ہے جو دنیا کے مذہبی ادب میں شاہکار بھی جاتی ہے۔
 غیر ذمہ دارانہ طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ رامائن میں کچھ ادبی خامیاں ہیں جو
 تلسی داس کی شاعری میں جلانہ ہونے کے باعث آگئیں۔ تلسی داس کی
 رامائن ہمیشہ ہندی ادب کا ایک زبردست خزانہ بھی جائے گی۔ اس نظم کے
 اثرات کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ گو کہ تلسی داس نے نہ کوئی نیا فرقہ بنایا اور
 نہ ہندوؤں کی مذہبیات میں کوئی اضافہ کیا۔ پھر بھی رامائن کے ذریعہ اس سے
 شمالی ہند کے اہل ہنود میں رامائن تحریک کی تبلیغ ایک اعلیٰ پیمانہ پر ملی۔
 رامائن کے علاوہ تلسی داس کے اور ادبی کارنامے بھی رام کی پرستش اور
 مذہبی تبلیغ کے متعلق ہیں۔ رام گیتاؤں میں تلسی داس نے رام کے متعلق
 چھوٹے چھوٹے گیت لکھے ہیں جو گائے جاتے ہیں۔ دو باولی (دوہا بولی)
 بھی رامائن کے دو ہوں کا ایک مجموعہ ہے جس میں تلسی داس نے درستی اخلاق
 کا سبق دیا ہے۔ کوتاؤں (کوتیاؤں) میں بھی رام کا قصہ ہے جو کوتا کی
 زمین میں لکھا گیا ہے۔ ونے پیرکا (وینای پتیکا) بھی رام کی تعریفی نظموں کا
 ایک مقبول عام مجموعہ ہے۔ ست سٹی (سات سڑے) بھی رام ہی سے متعلق

نظموں کا ایک مجموعہ ہے۔ اس نام کی ایک اور کتاب بہاری لال نے بھی
پچاس برس بعد لکھی جو کرشن سے متعلق تھی۔ اس میں قریب سات سو دو
ہیں۔ یہ کتاب ۱۵۸۵ء میں لکھی گئی۔ رامائن کے علاوہ اور بھی بہت سی
کتابیں تلمسی داس کی بتائی جاتی ہیں۔ ان میں بھی تلمسی داس کی شاعری
کا وہی زور ہے جو رامائن میں ہے۔

ناکھاداس | اس تحریک کا دوسرا شاعر تھا۔ اس کا دوسرا نام تراپن داس
بھی ہے۔ یہ اگر داس کا شاگرد اور رامائن تحریک کے
ساتھ ساتھ کرشنائی تحریک کا بھی حامی تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ
رامانند کا شاگرد تھا اور ذات کا ڈوم۔ اس کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے
کہ صغیر سنی میں اس کے والدین قحط کی وجہ سے اس کو ویرانے میں چھوڑ گئے۔
اگر داس اتفاقاً ادھر سے گذرا۔ اس نے بچے کو اکٹھایا اور گھبرا کر پرورش
کی۔ سن بلوغ کو پہنچنے پر اپنے گرو کے حکم کے مطابق اس نے بھگت مالا
لکھی جو غالباً ۱۶۲۳ء کے درمیان کی تصنیف ہے۔ یہ
قدیم پھیمی ہندی میں ایک منظوم کتاب ہے جو چھپائی کر میں ہے۔ اس
میں دشمنوں کے پرستاروں کا ذکر ہے جو رام یا کرشن کی پوجا کرتے تھے۔ لیکن
زیادہ تذکرے رام کے پرستاروں کے ہیں۔ ناکھاداس خود بھی رامانندی تھا۔
طرز ادا نہایت غیر معروف اور قدیم ہے۔ ایک ایک پرستار کے لئے ایک ایک
بند ہے جس میں اس کے خصوصیات نہایت مختصر طور پر مع حالات زندگی
درج ہیں۔ بھگت مالا ہندوستان کی مذہبی تاریخی کتابوں میں مستند تسلیم

ناکھاداس کبیر کے متعلق کہتے ہیں۔ کھگتی کے خلاف جو مذہب تھا اُسے کبیر نے لامذہبیت کہا۔ لوگ کرتا۔ خیرات کرتا۔ ہون کرتا اور یرت کرتا یہ سب بغیر خمد و شتا کے بیکار ہیں۔ بغیر کسی طرفداری کے ہندو۔ ترک جن کو مانیں ایسے کلام رومی شبدی۔ ساکھی کے نام سے کبیر نے لکھا ہے۔ اکھوں نے منہ دیکھی بات نہیں کہی اور نہ ذات یا ت کے راز وغیرہ کو ترجیح دی۔

ملوک داس | رام کے پرستاروں میں ملوک داس بھی نہایت مشہور شاعر ہوا ہے۔ یہ اورنگ زیب کے زمانے میں گذرا ہے۔ اس نے ایک فرقہ ایجاد کیا تھا جو رام نندیوں سے مشابہ تھا۔ ناکھاداس پورتنوں کا بھی قائل تھا۔ اس کے فرقے اور رام نندیوں میں خاص فرق یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملوک داس کے مبلغ تارک الدنیا نہ کہتے بلکہ ملوک داس کی طرح دنیا دلہ۔ وہ ایک تاجر تھا۔ کڑا مانک یور میں پیدا ہوا اور جگتا کہ میں انتقال کیا۔ اس کے چیلوں کی دھرم مشالائی گڑا اور دیگر مقامات پر اب بھی موجود ہیں۔ دس رتنی اور کھگت و تسلسل اور رتنا کھان اس کی دیگر تصانیف ہیں۔ اس نے کثیر تعداد میں مختلف موضوع پر جامع اشعار لکھے جو اب بھی لوگوں کے درد زبان ہیں۔

اس دور کے دوسرے کارنامے | جینی مادھو تلسی داس کا ایک خاص خاکر دکھا جوائے گرو کے ساکھ رہا کرتا تھا۔ اس کا زمانہ ۱۶۲۳ء ہے۔ اس نے اپنے استاد کی سوانح حیات گوشائیں خیرتر کے نام سے لکھی۔

جنتا منی ترپاٹھی | نے بھی ایک رامائن کو تاجگر میں لکھی۔ یہ ۱۶۶۵ء
میں گذرا ہے۔

۱۶۲۳ء میں پیدا ہوا۔ برج کارہنے والا تھا۔ اس
ہنومان داس نے ایک ہندی نظم رام چرتر کے نام سے لکھی جو
والمیک کی رامائن اور ہنومان کے نائنک کی امداد سے پایہ تکمیل کو پہنچی۔

الیشری پرشاد | الیشری پرشاد ترپاٹھی۔ انھوں نے ۱۶۳۷ء میں
رام بلاس کے نام سے رامائن لکھی جو والمیک کی
رامائن کے کچھ حصے کا ترجمہ ہے۔

بال علی | انھوں نے ۱۶۹۲ء میں دو کتابیں رام اور سیتا کی
تعاریف میں لکھیں جن کا نام نہیہ پرکاش اور سیتا رام
دھیان منجری ہے۔

بھگونت رائے | ضلع فتحپور میں اسوکھن کاراجہ تھا۔ بہت
عرصہ تک شاہان مغلیہ کا مقابلہ کرتا رہا اور آخر کار

۱۷۶۰ء میں مارا گیا۔ اس نے ایک رامائن ہندی زبان میں لکھی۔
انھوں نے ایک کتاب رام بلاس، رام کے متعلق
۱۷۵۰ء میں لکھی۔

۱۷۶۳ء لغایت ۱۸۳۳ء۔ یہ راجہ یونا کے سب
تلسی صاحب سے بڑے لڑکے تھے جنھوں نے تخت نشینی نہ کی۔
سلطنت ترک کر کے تارک الدنیا ہوئے اور ایک عرصہ تک سفر کرتے

مذہبی تحریک کے دیگر گروہ

کبیر پنچھی | کبیر اور ان کے جانشینوں کا اثر اس گروہ میں زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ کبیر پنچھی جو خاص کبیر کے حلیوں کا فرقہ ہے دو گروہوں میں تقسیم ہے۔ ایک وہ جن کا مرکز کبیر خورا (بنارس) اور گڑھ کھٹا۔ دوسرا وہ جن کا مرکز مدھ پردیش کے ضلع چھتیس گڑھ میں کھٹا۔ ان میں سے ہر گروہ کا سردار ایک مہنت ہوا کرتا تھا اور ہر ایک کا اپنا ادب تھا۔ کبیر خورا کے مہنت کا سلسلہ سورت گویال تک اور چھتیس گڑھ کے مہنتوں کا سلسلہ مدھم داس تک ملتا ہے۔ کبیر پنچھی اپنے کو مسیحیت سے علاحدہ رکھتے تھے۔ تاہم کچھ نہ کچھ ہندو اثرات اس فرقے میں آگئے کبیر باوجودیکہ اوتاروں کے وجود کا منکر تھا۔ لیکن اس کے بعض شاگردوں نے اسے اوتار خیال کیا ہے۔ اس کے نزدیک مالا کا استعمال ناجائز تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ چیز بھی کبیر پنچھوں میں آگئی۔ کبیر کے گروہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے دو قابل ذکر ہیں۔ سیکھ مدہان اٹھارھویں صدی کے وسط میں لکھی گئی اور پیر مل سنہ ۱۸۷۸ء کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ کبیر پنچھوں میں ایک مشہور شعاعیٹو صاحب گزرے ہیں جنھوں نے بہت سی نظمیں کندھیا بکر میں لکھیں۔ (نوٹ کبیر کا کلام عام ہونے کی وجہ سے مثال میں درج نہیں کیا جاتا)۔

سیکھ | یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سکھوں کے مذہب کا بانی نانک تھا جو کبیر کی تعلیم سے بہت زیادہ متاثر نظر آتا ہے۔ نانک کے بعد نو گرو

اور ہوئے جو شاعر تھے۔ سکھوں کی مقدس کتاب کا نام گرنٹھ ہے۔ گرو ارجن نے اس کا نام ادی گرنٹھ یعنی اصلی گرنٹھ رکھا۔ تاکہ وہ دوسرے گرنٹھوں سے ممتاز ہو سکے۔ گرو ارجن سکھوں کے چھٹے گرو تھے جن کا زمانہ ۱۵۶۱ء لغایت ۱۶۰۶ء ہے۔ اس گرنٹھ میں گرو نانک، گرو انگد، گرو امر داس، گرو رام داس، گرو ارجن، گرو تیج بہادر کا کلام اور دسویں گرو گووندک کا ایک شعر بھی درج ہے۔ ان گروؤں کی تصانیف گرنٹھ کے علاوہ دیگر مدحیہ نظموں پر مشتمل ہیں جو گرنٹھ کی شکل میں ہیں اور موسیقی کی ۳ راگوں کے مطابق لکھی گئی ہیں۔ اس فرقے کے ہر گرو نے باسٹھناٹے گرو گووند اپنا تخلص نانک رکھا۔ گرنٹھ کی ابتداء جب جی سے ہوئی جو نانک کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد سودا، آرو، سویرکھو اور سوہیلا ہیں۔ جن میں گرنٹھ کے مختلف حصوں کے اقتباسات ہیں۔ یہ تمام اقتباسات عبادت کے متعلق ہیں۔ اس لئے ابتداء انھیں سے کی گئی ہے۔ آخر میں ۳ راگوں کی تشریح کے بعد کھوگت ہے جس میں مدحیہ نظموں کے اجمال وک دئے گئے ہیں۔ یہ تمام مجموعہ ایک ضخیم کتاب کی شکل میں ہے۔ ایک ہی خیال مختلف صورتوں میں پیش کیا گیا ہے۔ سکھوں کے نزدیک یہ گرنٹھ صمد اور عبادت کی کتاب ہے جس میں دینیات کے مسائل بھی ہیں۔ مختلف حصص کی زبان مختلف ہے۔ لیکن حمد کی زبان زیادہ تر ہندی ہے جس میں کہیں کہیں پنجابی کی آمیزش ہے۔

سکھوں کا دسواں گرو گرو گووند ۱۶۷۵ء سے ۱۷۰۸ء تک اپنے فرقے کی قیادت کرتا رہا۔ اسی نے سکھوں کو مذہبی روش کے علاوہ

سیاہیانہ روش سکھائی اور اس گروہ کا نام خالصہ رکھا تاکہ وہ منظم ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اس کے زمانہ میں ہندوؤں کے بہت سے مذہبی خیالات سکھ مذہب میں داخل ہو گئے۔ گرو گوند کی شاعری زیادہ تر برج بھاشا میں ہے۔ یہ تمام مجموعہ مع ترجمہ ۱۳۴۷ء میں ایک کتاب کی شکل میں گرو گوند کے انتقال کے بعد بھائی منی سنگھ نے مرتب کیا جو دسویں گرو کا گرنتم کہلاتا ہے۔ لیکن اس کی وقت سکھوں کے سب سے پہلے ادی گرنتم کے برابر نہیں ہے۔ اس مجموعے میں جی اور حمد کی چند نظموں کے علاوہ وحی ناطک بھی شامل ہے۔ جس میں گرو گوند کی سوانح حیات اور ان کا نصب العین درج ہے۔

سکھوں کے سیاہیانہ جوش کو اکھار نے والی نظمیں بھی اس مجموعے میں شامل ہیں۔

دادو پتھیوں کا بانی دادو کھا جس کا زمانہ ۱۵۴۴ء تا ۱۶۰۳ء ہے۔ یہ احمد آباد میں پیدا ہوا اور

اپنی تمام زندگی راجپوتانہ میں گزاری۔ عام طور پر لوگ اسے دھنیا بناتے ہیں۔ لیکن اس کے شاگرد اسے برہمن کہتے ہیں جو غالباً صحیح ہے۔ وہ اتیسار حمدل اور قیاض کھا کہ لوگ اسے گرو دیال کہتے تھے۔ اس کی تعلیم کبیر سے بہت کچھ ملتی چلتی ہے لیکن وہ اسلامی خیالات سے متاثر نہیں ہے۔ بہت سے ہندو خیالات جن کا دادو سخت مخالف تھا۔

رفتہ رفتہ اس گروہ میں آ گئے۔ ویدانت کی تعلیم ذاتیات اور رُبت پرستی کی دادو نے سخت مخالفت کی۔ لیکن اس کے اکثر جانشین ویدانت کی تعلیم پر چلے ہیں۔ دادو کی بانی صرف صحیح النسب ہندو ہی پڑھنے کے مستحق تھے۔ بانی اس قدر مقدس سمجھی جاتی ہے کہ اس کی پرستش رُبت پرستوں کے رسومات کے مطابق کی جاتی ہے۔ دادو کی تعلیم کو اس کے بادل چیلوں نے پھیلایا۔ اس کی تعلیم بانی میں موجود ہے۔ جس میں پانچ ہزار اشعار اور سینتیس ابواب ہیں۔

دادو پنچھیوں کا تمام ادبی سرمایہ ہندی میں ہے۔ دادو کے دو بیٹے دونوں شاعر تھے۔ اس کے تمام شاگردوں نے شاعری کی ہے جن میں سے سندرد اس بہت مشہور گذرا ہے۔ اس کا زمانہ ۱۶۲۲ء لغایت ۱۶۵۰ء تھا۔ دادو ہندی کا بہترین شاعر تھا اور ہندی ادب میں ایک اعلیٰ مرتبہ رکھتا ہے۔ اس کی تصانیف کئی جلدوں میں ہیں۔ (مثال)۔

دادو دھیا ل

अजहूँ न निकसे प्रान कठोर ।

दर्शन बिना बहुत दिन बीते सुन्दर प्रीतम मोर ।

चार पहर चारहु जुग बीने रैन गँवाई भोर ।

अवधि गये अजहूँ नहि आयें कतहुँ रहें चित्त चोर ।

कवहुँ नैन निरखि नहि देखे मारग चितवत तोर ।

दादु अइसाहि आनुर चिरहिनि जइसाहि चन्द चकोर ।

آجہوں نہ نکسے پران کٹور
درشن بنا بہت دن بیتے۔ سندرد پریم مور

چار پہر چار ہو جاگ بیتے سیرین گنوائی بھور
 اودھ گئی اہول نہیں آئے کہتوں ہے جت چور
 کہوں میں نہ کھ نہیں دیکھے۔ مارگ جتوت توڑ
 دادو الہینہ آتر برہن جیسے چند چکور

(از دادو دیال)

ترجمہ۔ میری سخت جان اب بھی نہیں نکلتی۔ اپنے محبوب کو
 دیکھے ہوئے بہت عرصہ ہوا۔ چار پہر صدیوں کی طرح گزرے
 (جاگ) سحر کی رات ختم ہوئی اور صبح نمودار ہوئی۔ زمانہ گزر گیا مگر
 ہنوز محبوب نہیں آیا۔ میں جدائی میں اس طرح مضطرب ہوں جس
 طرح چاند کے لئے چکور۔

یہ فرقہ دھرنی داس نے قائم کیا جو ۱۵۶ء میں
 دھرنی داسی منجھی ضلع چھبیر میں پیدا ہوا۔ قوم کا لکشمہ تھا۔
 بعد میں فقیری اختیار کر لی۔ اس فرقے کے پیرو اب بھی ملتے ہیں۔ ہندی کی
 دو مشہور کتابیں ست پرکاش اور پریم پرکاش اس کی تصنیف ہیں۔
 اس فرقہ کا بانی حیرنداس تھا۔ یہ فرقہ ۱۵۶ء میں دہلی
 چرن داسی میں قائم ہوا۔ اس کے پیرو اب بھی موجود ہیں جن کی بہت
 بڑی تعداد ہے۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی اس فرقے میں شامل ہیں۔
 حیرنداس کی تعلیم کبیر داس سے بہت کچھ ملتی چلتی ہے۔ راج نام جینے کی

ضرورت عبادت اور گرد کی فصیلت پر بہت زور دیا ہے۔ چرند اس
بُت پرستی کے خلاف کھتا لیکن رفتہ رفتہ اس فرقے میں بُت پرستی آگئی۔
گرد کو اوتار کی حیثیت دی جاتی ہے۔ دوسرے فرقوں کی طرح اس فرقے
کا بھی تمام مذہبی ادب ہندی میں ہے۔ تمام گردوں نے سنسکرت کے
استعمال سے احتراز کیا۔ اس فرقے میں کھگوت پران اور کھگوت گیتا کے
ہندی ترجمے موجود ہیں۔ جن کا کچھ حصہ چرند اس کا ترجمہ کیا ہوا ہے۔
چرند اس نے متعدد قابل قدر تصانیف چھوڑی ہیں۔ اس کی دو مرید
عورتیں شاعرہ تھیں جن کے نام سنجویائی اور دیابائی ہیں۔ یہ دونوں
ہنسیں تھیں اور حیرن داسی فرقے میں تھیں۔ ان کا کلام حقیقت سے
بُڑا ہے۔ دیابائی نے دیا بودھ ۱۷۵۱ء میں لکھی تھی۔

شیونرائٹنی ۱۷۳۲ء میں شیونرائٹ نامی شخص نے جو قوم کاراجیوت
کھتا اور غازی پور کے قریب کارہنے والا تھا۔ ایک فرقہ
قائم کیا جو خدا کی پرستش کی تعلیم دیتا تھا اور بُت پرستی کا منکر تھا۔ شیونرائٹ
کو بذات خود اس کے شاگردوں نے اوتار مانا ہے۔ اس فرقے میں ہندو
مسلمان کی قید نہ تھی اور ہر مذہب و ملت کے لوگ اس میں شامل تھے۔
شیونرائٹ کی بہت سی ضخیم تصانیف ہیں جن میں سے سولہ کتابیں
ہندی شاعری سے متعلق ہیں۔

غریب داس غریب داس کا زمانہ ۱۷۱۷ء تا ۱۷۸۲ء ہے۔ یہ
کبیر کا چیلہ تھا۔ اس لئے یہ فرقہ کبیریتھیوں ہی کی

ایک شاخ ہے۔ اس فرقہ کا وجود اب بھی ہے۔ مگر یہ فرقہ اب صرف سادھوؤں ہی تک محدود ہے۔ غریب داس کی کتاب گرد گرنہتہ صاحب میں جو بیس ہزار بند اور اشعار ہیں جن میں سے سات ہزار بتدکبیر کے بتائے جاتے ہیں۔ غریب داس موضع چرائی ضلع ریتھک کارہنے والا تھا۔

لال داس | لال داس اس فرقے کا بانی تھا جو اور کارہنے والا تھا۔ اس کے اصول بھی کبیر سے بہت مشابہ تھے۔ اس نے بھی بکشت رام نام جینے کی تعلیم دی ہے۔ لال داس نے ایک بانی بھی جس کے اشعار اس کے چیلے گایا کرتے ہیں۔

سادھو | سادھوؤں کا فرقہ بیرکھان نے ۱۶۵۸ء میں قائم کیا جو دوآبہ کے شمالی حصے تک محدود رہا۔ بیرکھان کا قول ہے کہ اس کی تعلیم تمام ان شبدوں (الفاظ) اور ساکھو (بند) پر مشتمل ہے جو اس پر نذر لعلہ الہام نازل ہوتی ہیں۔ یہ تمام اشعار ایک کتاب میں جمع کئے گئے ہیں جس کا نام ادی آپدیش ہے۔ سادھو کبیر۔ نانک اور دادو کی نظمیں سادھوؤں کی انجمنوں اور جلسوں میں پڑھی جاتی ہیں۔

رام سنہی | رام سنہی فرقے کا بانی رام چرن تھا۔ سادھو کے عین پیدا ہوا۔ راجپوتانہ کا رہنے والا تھا۔ پہلے بت پرست تھا بعد میں بت پرستی چھوڑ کر غریب داسی فرقے کی طرح رام کی محبت میں رام سنہی فرقہ جاری کیا۔ یہ فرقہ بھی اب صرف سادھوؤں تک محدود ہے۔ اس کی شاعری اور تعلیم بانی کی شکل میں مرتب کی گئی۔ اس

فرقے کا تیسرا گروہ دھارم تھا جس نے ۱۷۷۷ء میں دس ہزار اشوار و چار ہزار بند لکھے۔ ۱۸۳۴ء میں فوت ہوا۔

ست نامی یا جگ جیون داسی | ست نامیوں کا فرقہ سترھویں
صدی کے پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔

اس کا وجود کیونکر ہوا اب تک راز میں ہے۔ ۱۷۸۵ء میں
جگ جیون داس نے اس کی تنظیم کی۔ یہ کٹوا کارہنے والا تھا جو اچھوت
اور لکھنؤ کے درمیان واقع ہے۔ جیسا کہ اس فرقے کے نام سے ظاہر ہوتا
ہے۔ اس کے پیرو صرف خدائے بزرگ و برتر کی پرستش کرتے تھے۔ لیکن
ہندو مذہب کے خیالات اپنا گھر کئے ہوئے ہیں۔ اس لئے اوتار کے وجود
پر بھی ایمان ہے۔ جگ جیون کا لیستہ تھا لیکن یہ فرقہ عام طور پر ان لوگوں
میں پھیلا جو برادری سے خارج تھے۔ جگ جیون کی ہندی شاعری
بہت سی کتابوں میں ہے جن میں سے پرکشم گرنتھ، مہاپرے اور
گیان پرکاش مشہور ہیں۔ جگ جیون داس کا ایک شاگرد دین داس
رائے بریلی کا رہنے والا تھا۔ ہندی کا ایک اچھا شاعر تھا جیون داس
کے دوسرے جانشین جلالی داس اور دیوی داس تھے جنہوں نے ہندی
میں شاعری کی ہے یہ فرقہ چھتیس گٹھ میں بھی جیکا۔ وہاں کے گرو غازی اس
تھے لکھنؤ نے ضلع کے چاروں میں قومیت کا خیال پیدا کیا۔

پیران ناگھتی | پیران ناگھ اٹھارھویں صدی کے شروع میں ہوا ہے۔
یہ ریاست پٹنا کا رہنے والا تھا۔ راجہ چتر سال نے اس

کی سرپرستی کی۔ اس نے ایران نامکھی فرقہ جاری کیا جس میں نہ صرف ہندو
مسلمان بلکہ عیسائی بھی شامل ہو سکتے تھے۔ ایران نامکھی قوم کا چھتری تھا۔
وہ مذہب اسلام اور ہندو دھرم کی تعلیم سے بخوبی واقف تھا۔
اس نے اس امر کی کوشش کی کہ دونوں اہل جائیں۔ اس فرقے کے لوگوں
کو دھامی بھی کہتے ہیں۔ اس گروہ کے لوگ ایک جگہ کھاتے بیٹے کتے۔
لیکن ہندو اور مسلم رسومات کے پابند تھے۔ ایران نامکھی نے جو وہ کتابیں
نظم میں تصنیف کیں گو کہ اہل ہندی قاعدہ کی پابندی کی ہے لیکن
اس آئے یہاں عربی و فارسی الفاظ کی افراط ہے۔

بعض صوفی شعراء | یاری صاحب ایک مسلم صوفی گذرے ہیں جنہوں نے
ہندی میں صوفیانہ شاعری کی ہے۔ ان کا زمانہ ۱۶۶۷ء

لغایت ۱۷۰۰ء ہے۔ دہلی میں قیام تھا اور مشرب صوفیہ کی تعلیم دیتے تھے۔
کیشو داس اور بلال صاحب ان کے شاگرد تھے۔ انہوں نے بھی ہندی میں نظمیں کہی
ہیں۔ بلال صاحب کا ایک شاگرد بلال صاحب اور بلال صاحب کے شاگرد کھیتا تھے۔
یہ دونوں بھی اٹھارھویں صدی کے نصف آخر میں گذرے ہیں۔ ہندی کے
مشہور شاعر تھے۔

دو اور ہندی مصنف دریا صاحب بہاری اور دریا صاحب مارواڑی
اسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ دونوں مسلمان تھے اور اٹھارھویں صدی
کے پہلے نصف حصہ میں گذرے ہیں۔

ملک محمد جالشی | صوفی شعراء میں ملک محمد جالشی کا نام کبھی ٹھلا یا نہیں

چاہے کھانا یہ جالٹس کے رہنے والے تھے۔ ہندو مذہب سے کافی واقفیت رکھتے تھے اور کبیر کی تعلیم سے متاثر تھے۔ اسیٹھی کے راجہ اس کے بڑے قدرداں تھے کیونکہ راجہ کا خیال تھا کہ اس کے یہاں لڑکے کی پیدائش ملک محمد جالٹس کی دعاؤں کے اثر سے ہوئی۔ ملک محمد جالٹس ضلع رائے بریلی میں پیدا ہوئے اور اسیٹھی میں فوت ہوئے۔ ان کا مزار وہاں اب تک موجود ہے۔

پدمات ان کی شاہکار نظم ہے۔ یہ ایک منظوم افسانہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رتن سین کو ایک طوطے کے ذریعہ سے یدمنی کے حسن کی خبر ہوئی۔ وہ فقیر کا بھیس بدل کر لٹکا گیا اور وہاں سے یدمنی کو اپنی بیوی بسنا کر چھوڑ لایا۔ علاء الدین جو اس وقت دہلی کا بادشاہ تھا۔ اس کو بھی یدمنی کے حسن کی خبر ہوئی۔ اس نے چیتوڑ پر حملہ کیا اور رتن سین کو قید کر لیا اور شرط پر رہائی یہ ہوئی کہ وہ یدمنی کو حوالے کر دے۔ اسے دو بہادروں کی مدد سے رہائی حاصل ہوئی۔ رتن سین کی اسییری کے زمانہ میں دیویال نے یدمنی کو اپنے قبضہ میں کر کے یدمنی سے شادی کرنا چاہا تھا۔ چنانچہ رتن سین اور دیویال میں جنگ ہوئی جس میں دیویال مارا گیا اور رتن سین کو ایسے زخم لگے کہ وہ چیتوڑ میں آکر مر گیا۔ یدمنی اس کی پیتا پمہ سستی ہو گئی۔ علاء الدین نے چیتوڑ فتح کر لیا۔ اس نظم کے اخیر میں ملک محمد نے اس قحطے کی تمثیلات کی وضاحت یوں کی ہے :-

چیتوڑ سے مراد جسم انسانی۔ رتن سین روح ہے اور یدمنی عقل علاء الدین جسم اور طوطا گرد اس طرح قحطے کو ایک مذہبی رنگ دیا ہے۔ تاریخ کی روشنی میں ملک محمد کی یہ نظم چیتوڑ کے محاصرے کی تصویر کشی جاتی ہے۔ لیکن اس میں

بہت سے واقعات ایسے ہیں جن میں رد و بدل بھی کیا گیا ہے اور دوسرے قصوں کی روایات بھی شامل کی گئی ہیں۔ اس نظم میں وہ زبان استعمال کی گئی ہے جو ملک محمد کے زمانہ میں رائج تھی کہیں کہیں فارسی الفاظ اور محاورے موجود ہیں۔ یہ اولاً اردو رسم الخط میں لکھی گئی اور حقیقتاً نہایت عمدہ اور ہندی ادب کا ایک نادر سرمایہ ہے۔ (مثال)

جاہلی

سرور ہیا غارت نیت جاہلی، دھک دھک ہوئے کئے بھراہی۔
 بھرت ہیا کرہو پیو ٹیکا، دیکھ دو گرا مرد ہو وہ ایک
 کنول جو بگسا، لسن بن جل ٹھوٹھائے
 ابوں بیل پھر پلے جو پیو سیجے آئے
 (از پیدمات ملک محمد جالشی)

ناگ مٹی ہجر کے عالم میں بیان کرتی ہے کہ میرے دل کا تالاب روز بروز
 گھٹتا جاتا ہے اور تالاب کی سطح چتے چتے ہو کر ٹوٹتی جاتی ہے۔ اے میرے
 محبوب میری اس حالت پر رحم کرو اور جس طرح سے پہلی بارش تالاب کی سطح
 کو درست کر دیتی ہیں تم بھی اپنے جمال سے میرے دل کو درست کر دو۔ اس

تالاب میں تختاری محبت کا جو کنول کھولا کھتا وہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے خشک ہو گیا۔ اسے محبوب ابھی یہ ممکن ہے کہ یہ بیل اگر تو اسے اپنے محبت کے پانی سے سینچے تو ہری ہو جائے۔

پیداوت کے عمیق مطالعہ سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ واقعی جالشی کو اس وقت کی زبان پر پورا عبور کھتا اور ہندو رسومات اور مذہبی عقائد سے بھی کچھ کچھ واقفیت تھی۔
اس عہد میں قطبین عثمان اور نجھن نے بھی صوفیانہ شاعری میں نام پیدا کیا۔ مثال کے لئے عثمان کے کلام کا نمونہ درج کیا جاتا ہے۔

उममान

चादि न मखर पावई, रूप न पूजे भानु ।
अव मुनु तन मन कान दे नखसिख करौ बखानु ।
प्रथमहि कैंहों कैम की सोभा, पन्नग जनों मलय गिरि लोभा ।
परिच विमल पीठि पर परे, लहर लेहि विपथर विष भरे ।
(चित्रावली से)

چاند نہ سرور پاؤں روپ نہ پوجے کھان
اب سن تن من کان دے نکھ نیکھ کرول نکھان
پرہمنی کہوں کیسے کی سوچھا۔ پنگ جنوں لیے گر لوکھا
پرگہ دل پیٹھ پر پرے لہر لہیں وشدھ وشدھ
(از جت راوی)

چاند اور سورج ان کی خوبصورتی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میں کتاب اس کا
سرایا بیان کرتا ہوں۔ اُسے بغور سنو۔ اس کے بال بچے اور صاف بیٹھے
نہریے ساتپ کی طرح لہریں لے رہے ہیں۔

اس عہد کی عام خصوصیات

وہ تلام مصنفین جن کا ذکر اس باب

میں کیا گیا ہے شاعری تھے ہندوستان

کے اہل ادب ان کے جذبات کو سنت رس (صوفیانہ طرز) کہتے ہیں۔ ان کا کلام
نہایت آسان، متفقہ و مسجع اور موسیقی سے لبریز ہے اور ہندو کا ادب کا ایک
جزو ہو گیا ہے۔ حالانکہ شعراء و مصنفین کے پیش نظر ادب سے زیادہ
مذہبی خدمت تھی۔ ان میں سے بعض کا شمار ہندی کے بہترین شعراء میں
ہے۔ لیکن ان کی شاعری کبیر کے مقابلہ میں کھپکلی ہے۔ ان تمام ضخیم کتابوں
میں مضامین کی وسعت نہیں ہے۔ گرو کی ضرورت اور اس کی عزت رام نام کی
مداومت اور مذہب کی ضرورت۔ دولت کی لعنت۔ حقیقت کی محبت۔
پاک و صاف زندگی گزارنے کی ضرورت اور اسی قسم کے مضامین کتابوں
میں مکرر نہایت طوالت کے ساتھ موجود ہیں جنہیں بار بار پڑھنے سے
جی اکتا جاتا ہے۔ اس زمانہ کا زیادہ حصہ ایسا تھا جب کہ شمالی
ہندوستان میں ایک زبردست تبدیلی ہو رہی تھی۔ اورنگ زیب کے
زمانہ حکومت میں سرکشوں کی بددلت لڑائی کا بازار گرم تھا اور اس کے
ارتقال کے بعد طوائف الملوکی اور زیادہ ہو گئی، جھگڑے فساد زیادہ بڑھ گئے۔

نادر شاہ اور بعد ازاں احمد شاہ ابدالی کے حملے شدید حادثے تھے۔ مرہٹے بھی سلطنت مغلیہ پر برابر حملے کر رہے تھے جو اس زمانے کے آخر میں بالکل برائے نام ہی رہ گئی تھی۔ گو یہ زمانہ قطعی بے سکون نہ تھا تاہم وہ تمام چھوٹے چھوٹے مذہبی فرقے جن کا ذکر اس باب میں کیا گیا ہے اسی زمانے میں ابھرے اور ان تمام نظموں میں جو ان مختلف فرقوں کے رہنماؤں نے لکھیں۔ خسرا کی تعریف کے علاوہ بہت سے ایسے مضامین ہیں جنہیں پڑھ کر ایسے پرشور زمانے میں لوگوں کو تسکین قلب حاصل ہوئی۔ ان تمام فرقوں کی تعلیم کم و بیش کبیر کی تعلیم کی مرہون منت ہے اور اس سے بہت کچھ متاثر نظر آتی ہے۔ بہت پرستی کی مخالفت اور بہت سی مذہبی روایات وہی ہیں جن کی تعلیم کبیر داس نے دی ہے۔

اسی زمانے میں بعض ایسے مشہور شعرا بھی ہوئے ہیں جنہوں نے مختلف عنوانات پر شاعری کے بہترین نمونے پیش کئے ہیں جن میں سے نروتم داس اور گنگ کوئی زیادہ مشہور ہیں۔ جن کا مختصر تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

یہ قصبہ باڑی ضلع سیتاپور کے رہنے والے تھے۔

نروتم داس ۱۵۲۵ء میں سدا ماچر تر کے عنوان سے ایک مختصر نظم لکھی۔ ان کی شاعری ٹکسالی ہوتی ہے اور ہندی شعراء میں ایک اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں۔ زبان نہایت سلیس اور بختہ ہوتی ہے اور کٹھوس جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ مثال۔

نروتم داس

छोड़ि संवे जक तोंहिं लगी बक, आठहु याम यही बक ठानी ।
 जातहि दे है लदाय लडा भरि, पेहैं लिये तू यही जिय जानी ।
 पावै कहा ते अटारी अंदा, जिनको है लिखि विधि दृष्टिय छानी ।
 जो पै दरिद्र लताट लिखा, कहु को त्यहि भेटि सकैगो अयानी ।
 (सुदामा चरित्र)

چھوڑ سبے جگ توئے لگی بک ۔ آٹھوں یام یہی بک ٹھانی
 جات دین لداٹے لڑھا بھر لے ہوں لے تو یہی جے جانی
 پاویں کہاں سے اٹاری اٹا جن کو ہے لکھی بدہ ٹوٹی چھانی
 جو پے درد رلاٹ لکھو کہو کو تہ میٹ سکے گو آسانی

(نزدتم داس - از سدا مایہ تر)

معنی - تمام دیگر باتیں چھوڑ کر تجھے ہر وقت یہی تذکرہ ہے کہ کرشن
 کے پاس چلے جاؤ۔ تو یہ سمجھتی ہے کہ میرے جاتے ہی کرشن گاڑی بھر کر
 زرو جواہر لاد دیں گے اور میں لے آؤں گا۔ جن کی قسمت میں ٹوٹا سا چھیر
 لکھا ہے اُنھیں بلند محل کس طرح نصیب ہو سکتے ہیں۔ جب قسمت میں ہی
 غریبی لکھی ہے تو اسے بے عقل اُسے کون دور کر سکتا ہے۔

گنگا کوئی | یہ اکبر کے دربار کے ایک شاعر تھے۔ چھوٹے چھوٹے
 قطعات مختلف عنوانات پر نظم کئے۔ فارسی الفاظ کی

آئینز آف کی شاعری میں کافی ہے۔ خیالات زیادہ خجاعت سے بریز رہے ہیں۔
 نہایت صاف گو کہتے اور لگی لپٹی نہ رکھتے کہتے۔ اس وقت ان کا بہت کم کلام
 ملتا ہے۔ ہندی ادب میں ان کا رتبہ بحیثیت شاعر کے ہی مانا جاتا ہے۔
 حالانکہ انھوں نے نشر میں بھی ایک کتاب چند چھپند برتن کی مہم لکھی تھی
 جس کا نمونہ موقع پر دیا گیا ہے۔ مثال۔

گنگ

پربل پربل بلی بیرم کے خانخانان
 تیری دھاک دیون دھاک دھاک
 کھنکھن گنگ تھوں بھاری سور بیرن کے،
 اُمڈ اُمڈ دھل پل پل لہکی۔
 مچھو دھممان تھوں توہ توہان چلے،
 مڈ بھلوان کیروان کوپی گھکی۔
 تھڈ کاٹ مڈ کاٹ جاسن جیرھ کاٹ،
 ناما جاما جین کاٹ جیمی آنی ٹھکی۔

گنگ

پربل پربل بلی بیرم کے خانخانان
 تیری دھاک دین دھاک دھاک
 کہیں کوئی گنگ نہان بھاری سور بیرن کے
 اُمڈ اُمڈ دھل پل پل لہکی

پچو گھمسان کھان توپ تیر بان چیلنی
 منڈ بلوان کر بان کوپ گھسکی
 تنڈ کاٹ منڈ کاٹ جوسن جره کاٹ
 ینما جامہ جنن کٹ جمینی آ نہا کھسکی

کر بان = تلوار

تنڈ = سونڈ

کے = کالڑکا

معنی۔ گنگا کوئی عبدالرحیم خانخانان کی مدح میں ذکر کرتا ہے۔
 وہ بہت طاقتور تھا اور اس کی دھماک ہر ہیار طرت بیٹھی ہوئی تھی۔
 جس وقت غصہ کے عالم میں وہ تلوار ہاتھ میں لے لیتا تھا تو قیامت برپا
 ہو جاتی تھی اور اس کی تلوار ہاتھ کی سونڈ۔ بدن۔ جوشن۔ زرہ۔ ینما۔
 جامہ اور زمین سب کو کاٹتی ہوئی زمین پر آ کر رکتی تھی۔



میسرا اور ریت کال

شہنشاہ اکبر کے زمانے میں یورے طور سے امن و امان قائم ہو چکا تھا اور رعایا کے دل و دماغ سکون و اطمینان کا گوارہ بن چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب راحت و آرام کا زمانہ نصیب ہوتا ہے تو طرح طرح کے امور و لعب و تعیش کی طرف طبیعت راغب ہونے لگتی ہے۔ اکبر اور اس کے جانشینوں کی رنگ رلیاں دربار سے بازار تک عام تھیں۔ مثل مشہور ہے۔ ”جیسا راجہ ویسی پر جا“ بادشاہوں کے ساتھ ساتھ رعایا بھی زمانے کے ماحول اور تاثرات سے محفوظ نہ رہ سکی بھگتی کال میں کرشن اور زدها کی پریم کہانیاں جیسے جے دیو نے گیت گووند میں نظم کیا تھا اور جسے ودیاتی نے اور جلا بخشی تھی۔ اس زمانے کے شعرا کا خیال ان کی طرف منتقل ہوا۔ سورداس اور تلسی داس نے اپنے اشعار میں جس پاک محبت کا اظہار کیا تھا وہی محبت اب شاہدان بازاری کی نذر ہو گئی۔ بیماری۔ مٹی آرام اور دیو جیسے زبان پر قدرت رکھنے والے شعراء بھی حسن ظاہری کا سراپا

کھینچنے اور آرائش و زیبائش کی تصویر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ شعرا کا مذاق لطیف، معشوق کی زلف پر تیج میں الجھ کر رہ گیا اور وہ خود دکر و دہن کی جستجو میں کھو گئے۔ دماغی عیاشی کی مثال اس زمانے سے بہتر کسی دوسرے دور میں نہ ملے گی۔

اس دور کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ شعرا کا دماغ حسن و عشق کے تاثرات نظم کرنے کے علاوہ فن عروض اور صنائع بدائع تشبیہات و استعارات کی طرف مائل ہو گیا۔ اصول و قواعد کی پابندیوں سے عام شعرا اپنے خیالات کو آزادی سے نظم نہ کر سکتے تھے۔ اس وقت کے شعرا نے برج بھاشا میں متفرق اشعار کے ذریعہ حسن و عشق کا اظہار کیا ہے۔ محبت کے دیوانے گھنا آئندہ۔ رس کھان۔ عالم۔ ٹھاکر اور بوجھا وغیرہ نے برج بھاشا کی زبان صاف کی ہے۔

اسلامان عرب نثر ادا تھے۔
ہندی زبان پر دوسرے اثرات
 ان کی زبان عربی تھی لیکن

ان کے ادب کی زبان فارسی تھی۔ یہ زبان مغلوں کی آمد سے پہلے بھی ہندوستان میں جاری ہو چکی تھی اور بہت سے اہل ہند بھی جو دربار سے متعلق تھے اس زبان میں کافی مہارت و شہرت حاصل کر چکے تھے۔ اردو ادب بھی ابتداً فارسی ادب کا ایک نمونہ تھا۔ مگر ہندی زبان کے وجود میں آنے کے وقت چونکہ اردو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اس لئے اس زبان پر اولاً اردو کا کچھ اثر نہ ہوا اور نہ فارسی زبان کا۔ ہندی زبان کا گہرا

جائزہ لینے پر یہ امر بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ وہ اردو اور فارسی زبان سے سلطنتِ مغلیہ کے زمانے میں متاثر ہوئی اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہندوؤں نے بھی فارسی اور اردو میں کافی مہارت حاصل کر لی تھی۔ اس لئے ان زبانوں کے اعلیٰ خیالات کو ہندی کے سانچوں میں سمونا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح سے ہندی ادب میں فارسی اور اردو کے خیالات۔ محاورات۔ تشبیہات وغیرہ آگئے اور شاہانِ مغلیہ کی ترغیب سے اس میں اور بھی ترقی ہوئی۔

شاہانِ سابق نے ادب کی ترویج میں حصہ ضرور لیا تھا مگر سب سے پہلے اکبر نے ہندی ادب کی توسیع میں کوشش کی۔ شہنشاہ اکبر کا زمانہ ادبی حیثیت سے نہایت قابلِ قدر زمانہ ہے۔ اس نے نہ صرف ایک اعلیٰ حکومت قائم کی بلکہ وہ فن ادب کا بڑا مرتب تھا۔ فنونِ تعمیر، موسیقی، مصوری، خطاطی کی اس نے بڑی ہمت افزائی کی۔ مختلف زبانوں کی کتابوں کے لئے ایک بڑا کتب خانہ قائم کیا اور بہت سی کتابوں کے ترجمے سنسکرت زبان سے فارسی اور اردو میں کرائے۔ شعرا کو بڑے بڑے انعام و اکرام دئے۔ اس عہد میں دیگر زبانوں کے ساتھ ساتھ ہندی زبان میں بھی نمایاں ترقی ہوئی۔ ان ادیبوں کے علاوہ جو دربار شاہی سے متعلق تھے دورِ دراز مقامات پر اور لوگ بھی ہندی کی تصنیف و تالیف میں مشغول تھے کیونکہ مصنفین کو اس کا یقین تھا کہ وہ اب ایک ایسی حکومت میں ہیں جس میں انھیں ہر طرح سکون و اطمینان حاصل ہے۔

شاہنشاہ اکبر کی پالیسی ہندی ادب کی ترویج تھی۔ اس کی سرپرستی کی وجہ سے امراء اور رؤساء نے بھی ہندو مسلمان مصنفین کے خاکے اچھا برتاؤ کیا جس کی وجہ سے ہندی ادب و شاعری میں نمایاں ترقی ہوئی۔ اس اثر کو زیادہ تر اکھیں مصنفین نے محسوس کیا ہے جو دربار شاہی سے متعلق تھے یا جنھیں دربار شاہی سے خلعت و انعام ملے۔

دربار اکبری کے ہندی شعراء | اکبر کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے خود بھی ہندی کے چند دوہے

کہے ہیں۔ جن میں اس نے اپنا تخلص اکبر رائے رکھا ہے۔ لیکن غالباً یہ دوہے فنِ موسیقی کے استاد اعظم تان سین نے لکھے تھے۔ تان سین دربار اکبری سے وابستہ تھا۔ اکبر کے بہت سے وزراء و خود بھی مصنف تھے۔ راجہ گوڈرمل نے ہندوؤں کو فارسی طبع کی ترغیب دی اور اسی کی کوشش سے آزدوزبان عام ہوئی۔ اس نے کچھ کوتیران کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ اس کے علاوہ بہت سی نظمیں اخلاقیات پر لکھیں۔

راجہ بیرمل | یہ ایک قنوجی دوہے برہمن تھا۔ پہلے راجہ جے پور کا درباری شاعر تھا جس نے اُسے اکبر کے دربار میں بھیج دیا۔ اپنی

ذہانت سے اکبر کے مقربین میں شامل ہو گیا۔ اکبر نے اُسے کوی رائے (کاکٹ الفیل) کے معزز خطاب سے سرفراز کیا۔ بیرمل ذہین تھا۔ بہت جلد ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کئے۔ وہ اپنی مختصر جٹکوں والی نظم اور انداز نگاری کے لئے مشہور ہے۔ اس کا کوئی مکمل دیوان موجود نہیں۔ لیکن بہت سے اشعار جو اس سے

مفسرین لکھتے جاتے ہیں تو ان کے خلاف آتی ہیں۔ وہ خود جب اعلیٰ مرتبے پر پہنچا تو اس نے دو سو تیس ہزار روپے سستی کی۔

ہمارا آخر مان سنگھ | یہ جے پور کا راجہ تھا اور اکبر کی فوج کا جنرل دیوں کا بڑا قدر دان تھا۔ اس کے متعلق مشہور ہے

کہ اس نے ایک شعر کے انعام میں ایک لاکھ روپیہ تک دیا ہے۔

ابوالفیض فیضی | ابوالفضل کا بھائی تھا جس نے آئین اکبری تصنیف کی۔ ابوالفیض نہ صرف فارسی شاعر تھا بلکہ اس نے بہت سے ہندی دوہے بھی لکھے ہیں۔

عبدالرحیم خان خاناں | یہ اکبر کے وزراء میں سب سے زیادہ قابل تھا۔ بیرم خاں کا بیٹا تھا جس کی امداد سے اکبر

پہلے ہی میں تخت نشین ہوا۔ وہ عربی، فارسی، سنسکرت اور ہندی سے بکوبی وقت لکھا اور بذات خود شاعر ہونے کے علاوہ شعراء کا مرتب بھی لکھا۔ اس نے

کتاب کوئی بڑی حمایت کی۔ اس کے ہندی اشعار خصوصاً اخلاقیات پر قابل

تعالیش ہیں۔ اشعار خود بتائے ہیں کہ مصنف اعلیٰ پایہ کا شاعر تھا۔ دیگر کتابوں

علاوہ اس نے رحیم سست سستی لکھی جو اس کی شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔

رہا م

(۱) جہاں بھارت میں رہا م پر کہو 'رہا م' کیہی کا جہاں

(۲) جہاں بھارت میں رہا م پر کہو 'رہا م' کیہی کا جہاں

جہاں بھارت میں رہا م پر کہو 'رہا م' کیہی کا جہاں

معنی۔ رحیم کہتے ہیں کہ بتلاؤ تو سہی کہ ہاتھی اپنے سر پر خاک اڑاتا کیوں کھیرتا ہے۔ جس خاک کے چھوٹے سے اہکیہ کا مقصد حاصل ہو گیا کھا اسی خاک کو ہاتھی تلاش کر رہا ہے (خاک پائے معشوق کی تعریف میں ہے)۔

(۲) रहि मन निज मन कै बिथा मन ही राखेहु गोइ ।
मुनि अठिलैहैं लोग सब, बाँटि न लैहैं कोइ ।

رحمن بیخ من کی دکھا میں ہی را کھوئے سن اٹھ لیں ہیں لوگ سب بانٹ نہ لیں کوئے
معنی۔ اے رحیم دل کی بات دل ہی میں رکھو۔ دوسرے اُسے سن کر اٹھ لائیں گے اور کھارے درد کی دوا نہ کریں گے۔

تانا سین | یہ گوالیار کا ایک نو مسلم تھا اور اپنے زمانے میں فن موسیقی کا استاد کامل گذرا ہے۔ یہ اکبر کا درباری گویا بھی تھا۔ فن موسیقی میں کامل ہونے کے علاوہ اس نے بہت سی نظمیں ہندی میں لکھی ہیں۔ یہ جہانگیر کے عہد حکومت تک رہا ہے۔ سنگیت سارا اور راکھتال اس کی تصانیف ہیں۔

منوہر واس کرن اور نہری سہائے | بھی اکبر کے دربار کے مشہور شعراء تھے۔
نہری سہائے کو اکبر نے مہاپتر کا خطاب عطا کیا۔ اکبر کا خیال تھا کہ دوسرے

شعرا دکن کے پتر ہیں مگر نہ ہری سہائے مہا پتر ہے۔
 اکبر کے دربار کا ایک اور شاعر گنگا پرشاد تھا جو گنگا کے نام سے
 مشہور ہے۔ اس کی زندگی کے حالات بہت کم روشنی میں آئے گو کہ اس کو
 اپنے زمانہ میں بہت شہرت و عزت حاصل ہوئی۔ تاہم اس وقت صرف
 تیس یا تینتیس اشعار اس کی یادگار ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار
 عبدالرحیم خان خاناں نے جو اس کا مرتی تھا چھتیس شعر کے صلے میں
 چھتیس لاکھ روپیہ انعام عطا کیا۔ مزاح نگاری اور جنگ کی منظر کشی میں
 وہ اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

کیشوداس | کیشوداس بندیل کھنڈ کی ریاست اور چھا کارہنے والا
 تھا۔ اس کی ایک اہم تصنیف دگیان گیتا ہے جو اس
 نے راجہ مدھو کر شاہ اور چھا کے نام سے معنون کی۔ کوی پریا اس کی نہایت
 عمدہ تصنیف ہے جس میں اس نے شاعری کے حسن و قبح اور دیگر محاسن
 پر بحث کی ہے۔ یہی اس کا وہ شاہکار ہے جس نے اسے شعرا میں ممتاز
 حیثیت بخشی۔ رائے مشوری کے نام سے معنون کی جو ایک مشہور شاعر
 ہوئی ہے اور جس نے بہت سی چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھیں۔

کیشوداس نے ایک اور کتاب رام چندر کا بھی لکھی تھی جو اس نے
 مدھو کر شاہ کے لڑکے اندرجیت کے نام سے معنون کی۔ وہ کیشوداس ہی
 تھا جس نے راجہ بیربل کے ذریعہ سے وہ کثیر رقم جرمانہ جو شہنشاہ اکبر نے
 اندرجیت پر کیا تھا معاف کرایا۔ اس نے شاعری کے متعلق رامک پریا

اور فن عروض کے متعلق رامالینکرت منجری لکھی۔ ان کتابوں میں اس نے
 صرف فن شعری اور عروض کے قواعد و ضوابط ہی نہیں دئے بلکہ ان کی مثالیں
 بھی دی ہیں۔ اس طور سے یہ کتابیں قواعد عروض کا مجموعہ اور بہترین
 اشعار کا خزانہ ہو گئیں۔ کیشوداس کے اشعار بہت آسان ہیں۔ پھر
 بھی محاسن سے خالی نہیں اور اس وجہ سے ان کا شمار اپنے زمانہ کے
 بہترین شعرا میں ہے۔ اس کے کلام کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں اور
 بہت سے شعرا نے اس کا تتبع کیا۔

کےسوی کےسنن آس کری۔ جس آریہ ن کرؤی۔

چند بدن مرگ لوجنی بابا کہہ جانیں

کسیو کہیں آس کری جس اری ہونہ کر ایں
 چند بدن مرگ لوجنی بابا کہہ جانیں
 معنی۔ کیشو کہتے ہیں کہ میرے سر کے بالوں نے میرے ساتھ
 وہ سلوک کیا جو دشمن بھی نہیں کرتا۔ ان بابوں کی بدولت یعنی صفیہ
 ہو جانے سے ماہر و اور آہو چشم مجھے بابا کہہ کے پکارتی ہیں۔ یعنی بزرگ
 گردانتی ہیں۔

کیشوداس کے بھائی بل بھدر نے بھی بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔
 جن میں ایک کھگوت پران کی شرح بھی ہے۔ اس کی ایک مشہور اور مستند

نظم نگار ہے۔ اس نظم میں محبوب کا سراپا اس طرح کھینچا ہے کہ سر کی چوٹی سے پیر کے ناخن تک کا بیان نادر تشبیہات کے ساتھ ہے۔ اس کی ان تشبیہوں کو دیگر شعراء نے بھی استعمال کیا ہے۔ اس قسم کی ایک کتاب حبیب و محبوب کے متعلق نائٹ نائٹ بھید کے نام سے لکھی جو اپنی زبان اور شوخی کے باعث نمایاں ہے۔

اس زمانے کے دیگر مشہور شعراء بال کرشن تریاکھی اور کاشی ناتھ گذرے ہیں۔ تریاکھی کی اس چند رکافن عروضی کی ایک اچھی کتاب ہے۔

کेशव

देखहु भारत चमू सजि आये ।
जानि अबल हमको उठि धाये ।
हांसत हय बहु चारन गाजे ।
जहँ तहँ दीरघ दुदभि वाजे ।

(रामचन्द्रिका से)

دیکھو بھرت جمو سج آئے
جان ابل ہم کو اٹھو دہائے
ہنسٹ ہے ہویارن گاجے
جہینہ تہینہ دیرگھ دند بھ باجے

معنی۔ دیکھو بھرت اپنی فوج آراستہ کر کے آرہے ہیں۔ اکھنوں نے شاید ہم کو کمزور سمجھ لیا ہے۔ اس وجہ سے حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ بہت سے گھوڑے ہنسنے آ رہے ہیں۔ ساتھ میں بہت سے ہاتھی ہیں اور جابجا قرنا بج رہا ہے۔

ریت کال کے دیگر شعراء

ہندی ادب کی ترویج کی جو کوششیں
شہنشاہ اکبر نے کی تھیں اس کے

اثرات اکبر کے انتقال کے بعد بھی ایک مدت دراز تک قائم رہے جہانگیر
اور شاہ جہاں نے اکبر کی ادب نواز پالیسی جاری رکھی۔ شاہ جہاں کا بیٹا
داراشکوہ ادیبوں کا ایک بڑا مربی تھا اور خود بھی مذہب ہنود سے کافی واقفیت۔
رکھتا تھا۔ اورنگ زیب کے زمانے تک باوجودیکہ وہ ہندی تعلیم کو اچھا نہ
سمجھتا پھر بھی نوی رائے کا خطاب مستحق شعراء کو دیا جاتا تھا۔ ایک
برہمن سندرنامی کو شاہ جہاں کے دربار سے کوی رائے کا خطاب ملا۔
اس نے شاعری کے متعلق ایک کتاب سندرسنگار لکھی اور اس نے
سنگھاسن بتیسی کا ترجمہ بھی برج بھاشا میں کیا جس کا اردو ترجمہ
للوچی لال نے بعد میں کیا۔

اس دور میں سینا پتی بھی ایک مشہور شاعر گزرا ہے جو قنوج کا رہن
تھا۔ اس کا خاص کارنامہ گوشتا رتنا کر ہے جو ۱۶۴۹ء میں تصنیف ہوئی۔
یہ کتاب فن شاعری کے متعلق ہے۔ سینا پتی مناظر فطرت کی تصویر کشی
اور نیچرل شاعری کے لئے مشہور ہے۔ اس نے ہندوستان کے
مختلف موسموں کی نہایت عمدہ تصویر کشی کی ہے جس میں کہ وہ دیو کے
علاوہ اور سب شعراء سے سبقت لے گیا ہے۔ اس کی ایک دوسری
تصنیف کاوی کلیا درم ہے اور اس کی دیگر مختلف نظمیں جو وقتاً فوقتاً
لکھی گئیں ایک مجموعہ کی صورت میں ترتیب دی گئی ہیں۔

مثال

سenaपति

लाल लाल टेंसू फूलि रहे हैं विलास संग,
 श्याम रंग मई भानो मसि में मिलाए हैं ।
 तहाँ मधुकाज आय बैठे मधुकर पुंज,
 मलय पवन उपवन बन धाए हैं ।
 'सेनापति' माधव महीना में पलास तरु,
 देखि देखि भख कबिता के मन आए हैं ।
 आधे अंग मुलगी मुलगी रहे आधे मानो,
 विरही दहन काम क्वैला परचाए हैं ।
 (वसंत वर्णन)

लाल लाल ٹیسو کھول رہے ہیں بلاس سنگ
 سیام رنگ مئی مانوس میں ملائے ہیں
 تہاں مدھوکاج آئے بیٹھے مدھوکر کنج
 لے یوں اپون بن رہا کئے ہیں
 سیناپت مادھو مہینہ میں بلاسترو
 دیکھ دیکھ بہاؤ کوتا کے من آئے ہیں
 ادھی انگ سُلگ رہے ادھے مانو
 برہی دھن کام کو ٹیلا پر چائے ہیں
 سیناپت لبنت موسم کا ایک سین یوں پیش کرتا ہے :-

لال لال ٹیسو کے پھول ہر طرف پھول رہے ہیں گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکھنڈ شام کے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ جس کی وجہ سے کچھ سیاہی مائل ہو گئے ہیں۔ ان پر کھونزے مست ہو کر شہر جوس رہے ہیں۔ جیت، بسیاکھ کے مہینے میں ٹیسو کے پیڑ کو دیکھ کر شاعری کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یہ پھول ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ حسن کی دیوی نے اپنے منہ پر کوہِ بکر کی آگ میں جلانے کے لئے کوئلوں کو دہکا رکھا ہے جن میں سے کچھ دہک گئے ہیں اور کچھ دہکنے کے قریب ہیں۔ مناسبت پھول کی سیاہی اور سُرخی سے ہے۔

تریاکھی بندھو | رتنا کر تریاکھی ایک قنوجی برہمن تھا۔ ضلع کانپور کا رہنے والا تھا۔ اس کے چار بیٹے ہندی کے مشہور شاعر اور رنگ زیب اور شاہجہاں کے زمانے میں گذرے ہیں۔ سترھویں صدی عیسوی کے بقیہ نصف میں کیشو داس نے جو شاہراہ نکالی تھی اس کو ترقی دی۔ سب سے بڑا بیٹا چنتا متی تریاکھی تھا۔ شاہجہاں اور دیگر فرمانرواؤں نے اس کی سرپرستی کی۔ وہ ہندی ادب میں ایک زبردست مصنف کہا جاتا ہے۔ اس کی تصانیف میں سے جھنڈو چار جوفن عرصہ سے متعلق ہے اور کاؤ کلٹا درم اور کوی پرکاش میں اس نے رامائن کو دوسری جکروں میں لکھا ہے۔ شب سے چھوٹے بھائی کا نام جٹا شکر یا نیل کنٹھ تریاکھی تھا۔ یہ دونوں بھائی اپنے دیگر بھائی

بھوشن اور متی رام پر سبقت لے گئے۔

یہ بہت سے بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہوا۔
بھوشن تر یا کھٹی | اس کے خاص مرتبی شیوراج راجہ ستارہ اور

چھتر سال راجہ پٹا کھے۔ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ چھتر سال خود اس کی
 یا لکی اپنے کندھوں پر لے گیا۔ شیوراج نے بھی بہت کچھ انعام و اکرام عطا
 کئے اور ایک مرتبہ پانچ لاکھ اور پچیس ہزار روپیہ ایک نظم پر عطا کئے۔

بھوشن کا خاص کارنامہ شیوراج بھوشن ہے جو اس نے شیوراج کی
 مدح میں لکھی۔ یہ ۱۶۶۶ء اور ۱۶۷۳ء کے درمیان لکھی گئی۔ بھوشن کی

بہت سی تصانیف ضائع ہو گئیں۔ شیوراج بھوشن کے علاوہ اور بہت
 سے اشعار شیوراج اور چھتر سال کی تحریف میں ہیں۔ بھوشن کے خاص

انداز رنج و غم و جانبازی و بہادری اور قوت کے اظہار میں پائے جاتے ہیں۔
 ہندی شعراء میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ وہ خاص طور سے ہندوؤں کی

ترقی کا حامی تھا اور اس پنج سے اس کی شاعری زیادہ مشہور ہے۔

پہلے یہ مہاراجہ بوندی کے یہاں اور بعد میں راجہ
متی رام تر یا کھٹی | خیمہ ناگہ کے دربار میں رہا۔ اس نے راجہ

بوندی کی مدح میں ایک نظم للت رام لکھی۔ دیباچے میں بہت سے
 اشعار عشق و محبت کے متعلق بھی ہیں۔ اس کی نظمیں خطبہانہ طرز ادا کا

بہترین کارنامہ بھی جاتی ہیں۔ للت رام ۱۶۶۲ء میں لکھی گئی۔ متی رام
 کا دوسرا کارنامہ چھند سار نیگل ہے جو فن عروض میں ایک کتاب

ہے اور سمجھنا چاہئے کہ نام سے معنون ہے۔ اس کا ایک کارنامہ عشق و محبت کے متعلق رس راج ہے۔ جس میں نائیکہ کھید بھی درج ہے۔ یہ ایک مستند کتاب ہے۔ متی رام کی ست سٹی ہندی ادب میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ (مثال)

ماتیرام

शत्रुशाल सुत सत्य मैं भावसिंह भूपाल ।

एक जगत मैं जगत है सब हिन्दुन की ढाल ।

(لالیت لالام سے)

شتر سال سبت ستم میں بہاؤ سنگہ بھوپال
ایک جگہ میں جگہ ہے سب ہندن کی ڈھال
معنی۔ ہندی کے راجہ راؤ بہاؤ سنگہ کی تعریف میں متی رام لکھتا ہے کہ :-
بہاؤ سنگہ ہی ایک ایسا راجہ ہے جو دنیا میں مشہور ہے اور سب ہندوؤں کو بچانے کے لئے ڈھال کی مانند ہے۔

(از لالت رام)

متی رام کی شاعری شستگی و صفائی ترنم الفاظ،
تشبیہات و استعارات اور تخیلات کے لئے مشہور
ہے۔ اس کے بہت سے دوہے بھاری لال کے دوہوں سے ملتے
جھلتے ہیں۔ (مثال)

ہوت دس گونو اُک ہے دیوے اک اُیو ویدو ۔

دیوے ڈیٹو نا یو وڈو اُنان اُما اُندو ۔

(ماتیرام ساتسہی)

ہوت دس گونو اُک ہے دیوے اک اُیو ویدو ۔
دیوے ڈیٹو نا یو وڈو اُنان اُما اُندو ۔

(ست سٹی متی رام)

معنی۔ جس طرح ایک پر صفر لگانے سے وہ عدد دس گنا ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح محبوب کے چہرے پر نظر بد کے لئے جو نشان لگاتے ہیں اس سے محبوب کا حسن بھی دس گنا بڑھ جاتا ہے۔

راجہ شمشہر ناتھ سنگھ۔

ستارا شہزاد کا بڑا امرتی کھا

عہد شہزادہاں کے دیگر شہزاد

اور خود بھی شاعر تھا۔ نائیک بھتہ اور نکم سکھ کا مصنف ہے جو بیکہ پسند کی گئیں۔ یہ کتابیں اپنے فن کی بہترین کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔

یہ بنارس کا ایک برہمن اور سنسکرت کا بڑا عالم تھا۔ اس سرسوتی نے شہزادہاں کے حکم کے بموجب ہندی میں شاعری شروع

کی۔ اس کا خاص کارنامہ کوندہ کلپانہ ہے جس میں دارا شکوہ شہزادی جہان آرا بیگم اور دیگر مرہٹوں کی مدح میں نظمیں ہیں۔

یہ ایک معمولی شاعر تھا لیکن اس نے ۱۶۵۵ء میں

شاعروں کا ایک نہایت عمدہ مجموعہ کلام مرتب کیا۔

تلسی

جس کا نام کوئی مالا ہے۔ اس میں کچھ شاعر کے کلام ہیں جو ۱۶۴۳ء لغایت ۱۶۴۳ء میں گذرے ہیں۔ اس زمانے کا ایک اور مشہور شاعر و دانشور رائے بھی گذرا ہے۔ اس کی ایک کتاب جس میں ہندی سمیت اور قمری مہینوں کے اعداد و شمار لکھے ہیں، بہت مشہور ہے۔ یہ کتاب اس نے شاہجہاں کے حکم سے لکھی تھی۔

یہ اپنے زمانے کا سب سے مشہور ہندی شاعر گذرا ہے۔ اس کا زمانہ ۱۶۰۳ء لغایت ۱۶۶۳ء ہے۔

بہاری لال جو بے

گوالیار میں پیدا ہوا اور اپنے بچپن کا زمانہ بند لکھنؤ میں گذارا۔ شادی کے بعد پھرا کو قیام گاہ بنایا جو برج بھاشا کا مسکن ہے۔ اس لئے اس کی شاعری برج بھاشا میں ہی ہے۔ جے پور کے راہب جے سنگھ اس کے مرثیے لکھے جنہوں نے بہاری لال کے ایک ایک دوہے پر ایک ایک اشرفی انعام دی ہے۔

بہاری لال کی تمام شہرت اس کی ست سہی کی وجہ سے ہے جو ۱۶۶۲ء میں لکھی۔ اس میں تقریباً سات سو دوہے اور سو گٹھے شامل ہیں۔ یہ دوہے زیادہ تر رادھا اور کرشن کی محبت کے آئینہ دار ہیں۔ ان میں صناعتی اور شاعری سے زیادہ کام لیا گیا ہے۔ ان نظموں میں تسلسل نہیں ہے۔ پھر بھی دلچسپ ہیں۔ ایک نظم جو اورنگ زیب کے بڑے بیٹے شاہ عالم کے لئے لکھی گئی۔ عالم شاہی تصحیح کہلاتی ہے۔ اس نظم میں پہلے منفرد اشعار ہیں اس کے بعد حبیب و محبوب اور آئین محبت کے متعلق کئی سو اشعار ہیں۔ اس کے بعد قریب ایک سو ستر اشعار آجبر کے متعلق ہیں۔ اس کا تیسرا حصہ نک سکہ ہے۔

(سرایا) اور آخر میں ہندوستان کے موسموں کا سماں پیش کیا گیا ہے۔
جو کچھ حصہ اخلاقی نظموں پر مشتمل ہے۔ آخر حصے میں خاتمے کے علاوہ بہت
سے اشعار مختلف طرز شاعری کے متعلق ہیں۔

بھاری لال سے قبل تلسی داس اور دیگر ہندی شعراء نے مست سٹی
لکھی تھی لیکن بلاشبہ بھاری لال کو اس صنف سخن میں ایک زبردست
کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کی مست سٹی کے شارحین کی تعداد تیس کے
قریب ہے اور بھی بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے اس کا تتبع کیا ہے۔

کھلانیہ اکھت بسات اہی مہور سہا باغ :
جگت تپوہن سہ کیو دیرو داغ نیداغ :

کھلانیہ اکھت بسات۔ آپے میور مرگ باگھ
جگت تپوہن سوکیو۔ دیرو گھ داگھ نداگھ

مست سٹی

(از بھاری لال)

معنی۔ گرمی کی شدت سے پریشان ہو کر سانپ اور مور ہرن اور
شیر ایک جگہ خاموش بیٹھے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کی شدت نے
دنیا کو دشمنی کے جذبے سے پاک کر دیا ہے۔

بنارس کے ہری پرشاد نے مست سٹی کا ترجمہ انگریزی میں کیا اس
کا ہر شعر بذات خود نہایت مکمل ہے اور ایک پورے معنی کا حامل جو

بہاری لال کی قابلیت کو روشن کرتا ہے۔ بہاری لال نے خصوصاً منظر کشی
 نہایت عمدہ کی ہے۔ اس کتاب میں خیالات کی ندرت اور انوکھائیں ہیں۔
 چھوٹے چھوٹے الفاظ عمیق معنی کے حامل ہیں۔ اس لئے ایسی کتاب کا
 ترجمہ نہایت اہم ہے۔ بہاری ست سٹی کی تعریف میں ایک دوا مشہور ہے
 وہ یہ ہے۔

سہ سہیا کے دہرے، جیوں ناویک کے تیر۔
 دیکھت کے چھوٹے لگیں، گھاؤ کریں گے بھیر۔

ست سیا کے دہرے جیوں ناوک کے تیر
 دیکھت کے چھوٹے لگیں۔ گھاؤ کریں گے بھیر
 معنی۔ ست سٹی کے دوپے اس چھوٹے تیر کی طرح ہیں جو دیکھنے
 میں تو چھوٹا ہے لیکن گہرا زخم لگاتا ہے۔

جسونت سنگھ | مہاراجہ جسونت سنگھ راجہ جوت پور ہندوستان
 کی تاریخ میں اورنگ زیب کا ضد مقابل ہونے کی
 وجہ سے بہت مشہور ہے۔ اس کا زمانہ ۱۶۲۵ء تا ۱۶۸۱ء ہے۔
 اوائل عمر ہی میں تخت نشین ہوا۔ اس کی کتاب بھاشا بھوشن کی وجہ سے
 ادب میں اس کا نام مشہور ہوا۔ اس کتاب میں صنائع بدائع اور قواعد
 حسن و عشق نہایت مکمل درج ہیں اور اس میں دو سو اکتھم دوپے
 ہیں۔ اس کا یہ کارنامہ سنسکرت کی ایک کتاب کے پہلو پہ پہلو لکھا گیا

اور اس کی متعدد دشریں ہوئیں۔ کیشو داس کو حُسن و عشق کے عنوان پر کتاب لکھنے میں اولیت حاصل ہے۔ جیہونٹ سنگھ کی بھاشا بھوشن بھی اس ہیچ پر لکھی گئی۔ جو لوگ کیشو داس کی کتاب سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں ان کے لئے بھاشا بھوشن ایک رہنما کام دیتی ہے۔ جیہونٹ سنگھ نے اور بھی بہت سی نظمیں لکھیں جو ویدانت کے فلسفے سے متعلق ہیں۔

دیو کوئی

دیودت جو دیو کوئی کے نام سے مشہور ہے۔ سنا ڈھیا برہمن تھا۔ اٹاواہ میں پیدا ہوا۔ شہزادہ اعظم شاہ کے زمانہ کا مصنف ہے۔ اس نے ہندوستان کے مختلف حصوں کا سفر کیا۔ لیکن اسے کوئی قابل قدر مرگی نہ ملا۔ سیاحت کی بدولت اس کو ہندوستان کے مختلف حصوں کے باشندوں کی طرز معاشرت سمجھنے کا اچھا موقع ملا۔ کثیر الاتصانیف اور تقریباً بہتر کتابیں مختلف عنوانوں پر لکھیں جن میں سے اس وقت صرف بیس باقی ہیں۔ اس کی ایک مشہور تصنیف دیو مایا پر ہیچ ہے جو ایک نامک ہے۔ اس کی دیگر مشہور تصانیف میں سے رس بلاس الیشٹ ریام اور پریم چندر کا ہیں۔ یہ نظم کی کتابیں ہیں۔ اس کی شاعری زیادہ تر عاشقانہ ہیں۔ وہ اپنی زبان اور طرز کے لحاظ سے ہندی شعراء میں ایک اعلیٰ مرتبہ رکھتا ہے۔ اس کی زبان برج بھاشا ہے اور اس کی شاعری میں ہر قسم کے وہ محاسن موجود ہیں جو اچھی شاعری کے لئے ضروری ہیں۔ اس کی شاعری قوافی کی پابندی صنائع بدائع و بیہات و استعارات اور عام محاورات کے لئے مشہور ہے۔ اس کی محبت

ماधوری مژول آؤنکی والی سوما لیمی ہے ارمے اراتی کویں !
 کومل کڑکی کے کویل کور کرے جن کی کیرے کرتی کویں !
 (سوجان وینود)

کھور یو کھیلن آوتی اے نا تو آلم کے مت میں پرتی کیوں
 دیو گویا لے دیکھتی اے نا تو یا برہا نل میں پرتی کیوں
 مادھوری مچلے آمب کی بال سو کھال سی ہے ارمے اڑتی کیوں
 کومل کوک کے کوکل کور کرے جن کی کیرے کرتی کیوں

(از سوجان وینود)

اگر میں کھیلنے کے لئے گل تماک نہ پہنچتی تو سیلیوں کی رائے میں شامل
 نہ ہوتی۔ نہ کرن کو دیکھتی اور نہ ان کے ہجر میں جلتی۔ آم کی بال میرے سینے
 میں بھالے کی طرح نہ چمکتی۔ کوکل کی کوک میرے کلمے کے ٹکڑے نہ اڑا دیتی۔

عہد اورنگ زیب کے دیگر مشہور شعراء | سلطنت مغلیہ کے زوال
 کے ساتھ ساتھ ہندی

شاعری کا بھی زوال ہوا۔ اولاً ایک غیر محسوس طریقے سے انحطاط شروع
 ہوا جو بتدریج بڑھتا گیا اور اورنگ زیب کی حکومت کے اکٹھا رھوس
 صدی میں پورے طور سے ظاہر ہو گیا۔ گوکہ اس زمانہ میں شعراء کی تعداد کافی
 تھی لیکن ان میں سے کوئی بھی کوئی قابل لحاظ نہیں۔ اورنگ زیب ہندی
 تعلیم کے خلاف تھا اس لئے اس کے زمانہ میں ہندی ادب کو کوئی ترقی

نہیں ہوئی۔ پھر کبھی اکثر ہندی شعرا اور نگ زیب اور اس کے چانشین بہادر شاہ کے دربار سے ملحق رہے۔ مندرجہ ذیل فہرست اُن شعرا کی ہے جو اولنگ زیب کے زمانے سے انیسویں صدی عیسوی کے اخیر تک ہوئے ہیں:-

نام شاعر	مختصر حال	تصانیف
گل بی مصر رام جی منڈن شمکھ دیو مصر ۱۸۶۸ء	آگرہ کا برہمن تھا۔ بہاری لال کا بھتیجا بند بکھنڈ کا مشہور شاعر گذرا ہے کمیل ضلع فرخ آباد کا رہنے والا تھا اُسے کوی راج کا خطاب ملا۔	پرسیا شاعر و شاعری کے متعلق ہے۔ ناٹکہ بھید۔ دیوان۔ فن عروض و شاعری پر کتابیں لکھیں۔
نواج سنگھ	قوم کا برہمن، راجہ پیتا کا درباری شاعر۔	شکنتلا ناٹک۔
کالی داس دویدی ۱۸۷۰ء	دوآبہ کے موضع بانپور کا رہنے والا تھا۔ ایک عرصہ تک اورنگ زیب کے دربار سے متوسل رہا۔ اپنے زمانہ کا ایک اچھا شاعر تھا۔	مشہور تصنیف کالی داس لیچارا جس میں دو سو شعرا کے کلام کا انتخاب ہے۔
عالم ۱۸۷۰ء	برہمن تھا۔ لیکن ایک مسلمان زگیر عورت کی محبت میں مسلمان ہو گیا۔	کوئی تصنیف موجود نہیں۔

نام شاعر	مختصر حال	تصانیف
	اس کی محبوبہ بھی شاعرہ تھی۔ عالم اورنگ زیب کے لڑکے معظم شاہ کے یہاں ملازم تھا۔ حبیب و محبوب کی داستان اس شعر میں سنیاں ہے جس کا پہلا مصرع عالم کا اور دوسرا مصرع محبوبہ کا ہے۔ (عالم)	(مثال)

کنک چھری سی کامنی، کاہن کو کٹتی دین ।
کٹ کو کنجن کاٹ کر کنجیں مسدھ دھردین ۱

کنک چھری سی کامنی۔ کاہن کو کٹتی دین
کٹ کو کنجن کاٹ کر کنجیں مسدھ دھردین

سری پتی
۷۲۷
سران مصرع
۷۲۹

فن شاعری کے بعض افسانہ میں کوی سرودج اور دیگر کتابیں۔
اس کا کلام بے نظیر سمجھا جاتا ہے۔
یہ اگرہ کارہتے والا تھا۔ فن خطابت بہاری لال کی ست سٹی اور
اور دیگر موضوعات پر غامہ فرسائی کیشوداس کی رسک پریا کی
کی جس میں نیکہ شکہ بھی ہے۔ شرح لکھیں۔

نام شاعر	مختصر حال	تصانیف
گنجین ۱۷۲۹ء	محمد شاہ کے وزیر قمر الدین خاں کا دیوان۔ ملازم تھا۔ بنارس کا رہنے والا۔ قوم کایرہ میں تھا اور ان کے دربار سے کافی انعام پائے اور مدح سرائی کی۔ اپنے وقت کا ایک اچھا شاعر سمجھا جاتا تھا۔	
گرو دت سنگھ ۱۷۳۲ء	امیٹھی کا راجہ تھا۔ بھوتی تخلص تھا۔ بہاری کی ست سئی کے مقابل میں ایک ست سئی لکھی ہے۔	ست سئی۔
رسلین ۱۷۴۰ء	اصلی نام سید غلام نبی تھا۔ بگرام ضلع ہر دوئی کا رہنے والا تھا۔ بہت سی نظمیں لکھیں جس میں نک سکھ بھی ہے۔	اننگ درین۔
اودے ناتھ دویدی ۱۷۴۰ء	دواپہ کے ضلع یا نیپور کا رہنے والا تھا۔ کال داس دویدی کا بیٹا ہے۔ تھا۔ امیٹھی کے راجہ نے اسے ملک الشعراء کا خطاب دیا۔	کوئی تصنیف موجود نہیں

نام شاعر	مختصر حال	تصانیف
کشور ۱۷۸۸ء	ایک مشہور شاعر تھا۔ اس نے ہندوستان کے موسموں کی منظر کشی بہت بہتر کی ہے۔	کشور سنگرہ۔
دیودت ۱۷۷۷ء	اس نے مبالغہ آمیز شاعری پر ایک کتاب للت لتا لکھی ہے جو متی رام کی للت للام کے طرز پر ہے۔	للت لتا۔
رتن کوی ۱۷۷۷ء	اپنے زمانے کا مشہور شاعر گدرا ہے۔ فتح شاہ بندیلکھنڈ اس کا مرثیہ تھا۔ اس کی مدح سرائی کی۔	فتح شاہ پرکاش اور فتح بھوشن۔
متی رام مصر ۱۷۷۲ء	چھپٹن اشعار میں فن شاعری پر نہایت مختصر تبصرہ کیا اور شہرت حاصل کی۔	چھند چھپنی۔
بودھما ۱۷۷۲ء	یہ ریاست پٹنا سے ملحق تھا مجتبیٰ اس کی شاعری کا اصل عنصر ہے زیادہ تر اشعار اپنی محبوبہ سوکھان	عشق نامہ۔

نام شاعر	مختصر حال	تصانیف
بھکاری اس	کی مدح میں لکھی ہے۔ عام طور پر ہر داس کے نام سے مشہور ہے۔ ہندوستانی اس کا مرثیہ لکھا۔ اپنے وقت کا اچھا شاعر ہے۔	دشنویران کا ہندی ترجمہ۔
رگھوناتھ	بنارس کا رہنے والا تھا۔ گوکل ناتھ کا بیٹا۔ اس نے مہا بھارت کا ہندی میں ترجمہ کیا۔ فن شاعری پر متعدد کتابیں لکھیں جو عام پسند ہوئیں۔	ترجمہ مہا بھارت اور شرح سرسوتی بہاری لال۔
شیوارشلا	اس نے ہندی شاعری میں سب سے پہلے قصیدے کی بناء ڈالی۔	موجودہ تصنیف کوئی نہیں ہے۔
ہر چند اس	نیشا گڑھ کا رہن تھا۔ اس نے لکیشوداس کی گوی پریا اور رسک پریا اور بہاری لال کی ست بسی پر شرحیں لکھیں۔	تصانیف مذکور۔

پتو تھا دور

گدیہ کال

ہندوستان کی تاریخ میں ۸۵۷ء ایک ایسا مشہور و معروف
سنہ گذرا ہے جو اپنی انقلاب آفرینی کی جہت سے امتیازی شان رکھتا
ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس کی تمام داستان خوفشاں ہے لیکن بعض خصوصیات
جو اسی کے اثرات سے اس کے ملحقہ سنہ میں رونما ہوئیں وہ ملک کی آئندہ
فلاح و بہبود کا سرچشمہ ثابت ہوئیں۔ بہت سے تاریخی حالات کی طرف
اشارہ کرنے کے لئے صرف سلطنت مغلیہ کا زوال کافی ہے۔ جب کہ
طوائف الملوکی برسر حکومت تھی۔ غالباً یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ وہ بدعالیاں
اور تباہیاں جو ملک میں چاروں طرف پھیل رہی تھیں اُنکھیں انتہا تک
پہنچانے کے بعد ۱۵۵۷ء ہی کی ہنگامہ خیزی نے ختم کیا۔ وہ زمانہ جب کہ
سکون و اطمینان انقلاب و پریشانی سے بدلے ہوئے ہوں، انسانی
زندگی کے تمام شعبے ابتر ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ معاشرت کی تباہی
سے علوم و فنون تہذیب و تمدن اور زبان و ادب کے خوبصورت نقوش

بھی مٹ جاتے ہیں یا دھندلے پڑ جاتے ہیں۔ اگر تاریخی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ تمام باتیں غدر سے پہلے نظر آئیں گی۔ غدر کے فرو ہونے اور الیٹ انڈیا کمپنی کے استیقام کے بعد اصلاحات کا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور کی تمام خصوصیات کو روشنی میں لانا اپنے جادہ سے ہٹ جانا ہے۔ اس کتاب کا مقصد صرف ان اصلاحات سے بحث کرنا ہے جو ہندی ادب اور زبان کو نصیب ہوئیں۔

غدر ۱۹۴۷ء سے پہلے ہندی زبان میں نشر کا ذخیرہ بہت کم پایا جاتا ہے۔ تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہندی نشر کا بالکل فقدان تھا۔ سنہ مذکور سے صدیوں پیشتر نشر کا وجود ملتا ہے۔ شہنشاہ اکبر کے عہد میں ۱۵۷۶ء یا اس کے قریب کے زمانے میں گنگا بھاٹ نے کتاب ”چند چھند برتن کی مہما“ نشر میں لکھی۔ (نمونہ ملاحظہ ہو)

सिद्धि श्री श्री १०८ श्री श्री पादसाही जि श्री दलीपति जी
अकबर साहाजी आम काश में तखत ऊपर बिराजमान हो रहेह ।
और आम काश भरने लगा हे जोसमें तमाम उमराव आय आय
कुलश बजाय बजाय जुहार करके अपनी अपनी बैठक पर बैठ
जाया करै ।

سُده سری سری ۸-۱۰ سری سری پات ساہی جی
سری دلی پیت جی، اکبر ساہا جی عام کاش میں تکھت اوپر
براجماں ہو رہے ہیں۔ اور عام کاش بھرانے لگا ہے۔ جلس میں

تمام اُمراء آئے آئے گنڈنلش بجائے بجائے جہاز
کر کے اپنی اپنی بیٹھک پر بیٹھ جایا کرے۔

(از ”چند تھینڈیرن کی مہما“)
گنگ

اسی طرح سن ۱۶۸۰ء میں جٹ مل نے گورا بادل کی کھتا تصنیف
کی۔ گریشن کا یہ قول کہ انگریزوں نے ہندوستان میں ہندی نشر کی
بنیاد رکھی صحیح نہیں۔ اس قول کی تائید محض لاعلمی پر منحصر ہے۔ جس کی
تردید کے لئے سدا سکھ لال اور انشاد اللہ خاں کی ہندی تصانیف
موجود ہیں۔ (نمونہ ملاحظہ ہو)۔

इरा अन्ला खा

यह वह कहानी है कि जिसमें हिंदी घुट ।

और न किमी बोली का मेल है न पुट ॥

میر ہنکا کر ناک رگڑتا ہوں اس اُسنے بنانے والے کے
سامنے جس نے ہم سب کو بنایا اور بات کی بات میں وہ کر
دیوا یا کہ جس کا ہند کسی نے نہ پایا۔ آتیاں جاتیاں
جہاں میں ہیں اسکے بے دھیان سب فاس ہیں۔ یہ کمال کا پوتا
جہاں اپنے دم گھلاڑی کی مٹھ رکھتے تو سڑاڑے میں کیوں پڑے
اور کڑوا کھمبہ کیوں ہو؟ دم فلت کی میٹھاڑے چکھے جو
بڑی سے بڑے اُگلاں نے چکھے ہیں۔

(رانی کتکی کی کہانی سے)

یہ وہ کہانی ہے کہ جس میں ہندی چھٹ
 اور نہ کسی بولی کا میل ہے نہ پیٹ
 سر جھکا کر ناک رگڑتا ہوں اس اپنے بنانے والے
 کے سامنے جس نے ہم سب کو بنایا اور بات کی بات میں
 وہ کر دکھایا کہ جس کا بھید کسی نے نہ پایا۔ آیتیاں جاتیاں
 جو سالنیں ہیں اس کے بن دھیان سب کھا نہیں ہیں
 یہ کل کا پتلا جو اپنے اُسے کھلاڑی کی سرور رکھے تو کھٹائی
 میں کیوں پڑے اور کڑوا کسلا کیوں ہو۔ اُس کھیل کی
 مٹھائی چکھے جو بڑوں سے بڑے اگلوں نے چکھی ہے۔
 (از زبان کیتکی کی کہانی)
 انشاء اللہ تعالیٰ

حقیقت یہ ہے کہ ہندی زبان میں دو جدا گانہ دور ہوئے ہیں۔
 ایک جدید اور دوسرا قدیم۔ دور قدیم وہ دور ہے جس میں شاعری کا
 زبردست سلسلہ ہے اور نثراری خال خال ہے۔ عہد جدید اُسے
 کہہ سکتے ہیں جب کہ اردو ہندی کی شکر رنجی سے ہندی نثر نے
 پانوں پھیلانے شروع کئے۔ یہ بھی ہندی کی خوش نصیبی تھی کہ الیٹ
 انڈیا کمپنی کی ادب نوازی یا خود اس کی اہم ضرورتوں نے فورٹ ولیم
 کالج کلکتہ میں ہندی زبان و ادب کی ترقی کا سامان کیا۔ لارڈ

سر جان گلکراسٹ کی مردم شناس نگاہوں نے ہندی کے اچھے اچھے ادیبوں اور شاعروں کو مختلف اقطار ہند سے جُن لیا اور وہ سب کے سب کالج مذکور میں پہنچ کر ہندی زبان کی ترویج و ترقی میں منہمک ہو گئے۔ جس سے اب ہندی زبان میں تصنیف و تالیف و تراجم کا بازار گرم ہو گیا۔ اس موقع پر ہندی کی اعلیٰ خدمات جن لوگوں نے انجام دیں اُن میں منشی بہاری لال لاہوری، منشی بینی نرائن جہاں اور سیدل مصر، لکھنؤ لال جی وغیرہم کے نام خود اُن کے کارناموں کے ساتھ یادگار زمانہ ہیں۔

سدل मिश्र

वैशम्पायन मुनि राजा जनमेजय से कहते हैं, सूर्य समान तेजस्वी नासिकेत मुनि की. जिनके जाने से सभा शोभने लगी, देखते ही धर्मराज हर्षित हो तुरन्त उठ खड़े भए। आदर मान कर निकट अपने आसन पर ऋषि को बैठाया वो प्यार से समाचार पूछने लगे।

(नासिकेतोपाख्यान से)।

ولشیمیا بن مُسنی راجہ حنمے سے کہتے ہیں سوریدرمان
تجسوی بہتلی والا (ناسکیت مُسنی کو۔ جن کے جانے سے سہا
شو بھنے لگی۔ دیکھتے ہی دھرم راج ہرشت (خوش)
ہو۔ تُرنت اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آدرمان کزکٹ (نزدیک)

اپنے آسن پر ریشی کو بٹھایا و پیار سے سما چار (حال)
پوچھنے لگے۔

(”ازناسکت آیا کھیان“)
سداں مضر۔ فورٹ ولیم کالج

لنچو جی لالہ

چار مہینے वर्षा भी न हुई तिसमें सारे नगर के नदी नाले
झरोखर सूख गये तब अन्न भी कुछ न उपजा नभचर, जलचर,
थलचर जाव जन्तु पक्षी और ढोर लगे व्याकुल हो सूखं सूख
मरने और पुरवासी मारे भूखों के त्राहि त्राहि करने। निदान सब
नगर निवासी महा व्याकुल हो निपट घबराये श्री कृष्णचन्द्र दुख
निकंद के पास आए और अति गिड़गिड़ाये अधिक अधीनता
कर हाथ जोड़ सिर नाथ कहने लगे।

(प्रेम सागर)

چار مہینے ور شا بھی نہ ہوئی تسمیں سارے نگر کے ندی
نالے سرور سوکھ گئے۔ ترن آن بھی کچھ نہ ایکا۔ بھہر۔
جل چیر۔ کمل چیر۔ جیو جنتو کچھی اور ڈھور لگے بیا کل ہو۔
سوک سوک مرنے اور پیر والی مارے بھوکوں کے
مارے تراہ تراہ کرنے۔ ندان سب نگر تو اسی مہا ویا کل ہو۔

ہنٹ گھبرائے سری کشن چند دھکے نکلنے کے پاس آئے
اور اپنی گڑبڑ اٹائے ادھک ادھینتا کر ہاتھ جوڑے سرنائے
کہنے لگے۔
(از پریم ساگر)

لکھنوال جی

کھل چیر = چرند
یوہ واسنی = گائوں کے رہنے والے
دھکے نکلنے = دھکے کو دور کرنے والے

سرور = تالاب
تہن = تنکا
بھجھ = پرند
جلن چیر = آبی جانور

آج ہندی زبان و ادب کو جو کامیابی حاصل ہو رہی ہے وہ
فورٹ ولیم کالج کی مرہون منت ضرور کہی جاسکتی ہے۔ ہندی
ادب کی وہ بہت بڑی کوتاہی جو عہد قدیم سے چلی آرہی تھی اور جس
کی وجہ سے ہندی نشر کا سرمایہ بہت کم تھا، مذہبی شاعری کی بدولت
تھی۔ شاعر تو ہزاروں تھے مگر نثار کم تھے۔ مذہبی شعرا کے علاوہ
درباری شعرا کی بھی کثرت تھی۔ ان دونوں طبقہ کے شاعروں کا
کام صرف شعر سے چلتا تھا کیونکہ مطمح نظر مذہب تھا یا راجاؤں
کی مدح سرائی۔ فکر و نظر کا غیر محدود عالم مذہبی خیالات اور راجاؤں
کی مدح سرائی تک محدود تھا۔ یہ ممکن تھا کہ فکریں مذہبی معتقدات
اور راجاؤں کے تاریخی حالات و بیانات نشر کی کمی کسی قدر دور کریں۔

مثلاً کرشن جی اور دوسرے دیوتا۔ راجہ مہاراجہ اور ان کے عہد کے حالات جنھیں بہت سے شعراء نے نظم میں بیان کیا ہے۔ اگر وہ نظم کے بجائے نثر میں بیان کئے جاتے تو زیادہ مکمل اور تاریخی حیثیت سے مستند بھی ہوتے۔ نیز ہندی زبان میں نثر کا ایک دلچسپ ذخیرہ ہو جاتا ہے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ زمانہ ہمیشہ انسان کو اپنے نقش قدم پر چلایا کیا۔ سر جان گلکراسٹ کی ہندی نواز کوشش اُس وقت شروع ہوئی ہے جب زمانہ بدل چکا تھا۔ مذہبی گروہ معدوم ہو چکے تھے اور راجاؤں کے درباروں کی داد و ستھ ختم ہو گئی تھی۔ اب ہندی شاعری کا زور شور ہوتا تو کس کے بل بوتے پر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زمانہ کے ساتھ مذاق بدلا اور ہندی نظم کے مقابل میں نثر زیادہ ترقی پتیر ہوئی گئی۔

تمام دنیا کی وہ زبانیں جو مکمل
کسی جانے کے لائق ہوتی ہیں

ہندی نثر کی ترقی کے اسباب

دو حصوں میں ہوا کرتی ہیں۔ ایک نظم اور دوسری نثر۔ نظم و نثر مختلف جذبات کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ ان کے واسطے مختلف تحریکات کا ہونا لازمی ہے۔ نظم کا تعلق ان جذبات و حسیات سے ہوتا ہے جن میں قلبی سوز و گداز کو پوری پوری گنجائش ہو خواہ وہ مسترت خیز ہو خواہ غم انگیز۔ نثر کا میدان بہت وسیع ہے کیونکہ اس کے تعلقات لا محدود ہیں۔ اس میں نظم کی طرح محرکات کی ضرورت ہوتی ہے۔

لیکن وہ جگہ بندیاں نہیں جو نظم کے لئے از بس ضروری ہیں اور جن کے بغیر نظم نظم ہی نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تمام مکمل زبانوں میں نظم سے نشر کا ذخیرہ بہت زیادہ ہے۔ نشر کی رفتار بھی نظم کی رفتار سے تیز تر ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے ہندی زبان میں نظم کا ذخیرہ نشر سے زیادہ کٹھا۔ ہندی کی ہزاروں برس کی یو جی نظم تھی لیکن جب ہندی ادب میں ترقی کا خیال پیدا ہوا اور عمل شروع ہوا تو پھر وہ وقت بھی آگیا کہ ہندی نشر کے خزانوں کی افزائش کے سامنے ہندی نظم کا سارا ذخیرہ یسج ہو گیا۔ جس چیز نے ہندی کو آگے بڑھانے میں سب سے زیادہ مدد پہنچائی وہ اردو ہندی کا نزاعی مسئلہ ہے۔ اس نزاع کی بنیاد اسی وقت ہو چکی تھی جب کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی مشترکہ اور مخلوط زبان (اردو) کے قواعد فارسی نہج پر مرتب ہوئے۔ مخالفین قواعد کو سنسکرت ویا کرن کے طریقہ پر ترتیب دینا چاہتے تھے۔ یہ ایک بنیادی اختلاف تھا جو بڑھتے بڑھتے اردو کی جگہ وہ ہندوستانی لینا چاہتا ہے جسے مسلمان اور یکساں فی صدی ہندو نہ بخوبی بول سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے۔ اس جملہ منہ خصرہ کے بعد یہ بتانا ہے کہ اردو ہندی کی نزاع نے ہندی کا راستہ اس قدر سہل اور آسان کر دیا کہ ہندی کو آگے بڑھنے میں زیادہ تردد نہ ہوا کیونکہ اردو سے عربی و فارسی الفاظ اور تراکیب کالنے کے بعد جو کچھ بچا وہ ہندی کا ذخیرہ بن گیا۔ اس کا ردوائی سے ہندی کی ترقی تو ضرور ہوئی۔ لیکن

سیاسی نقطہ نگاہ سے یہ فعل ناخوشگوار رہا کیونکہ مخلوط زبان کی تشکیل کاراز ہندو مسلم اتحاد کا جو ملک کو نہایت اہم ضرورت ہے۔

ہندی نشر | نشر کی عموماً تین قسمیں ہوتی ہیں۔ تصنیف۔ تالیف اور تراجم۔ ہندی میں تصنیف و تالیف و تراجم کا

سلسلہ جو فورٹ ولیم کالج میں شروع ہوا، اندازاً دس بارہ سال میں کافی مستحکم ہو گیا۔ حسن اتفاق کہ اسی زمانہ میں اہل ہندو نے اصلاح تمدن کی تحریک اٹھائی۔ مذہبی اور معاشرتی ضرورتوں نے ہندی ادب کی تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت میں کافی مدد دی جس سے ہندی ادب میں نمایاں ترقی ہوئی۔ تراجم کے وسیع سلسلے نے عیسائی مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں امداد دی۔ انجیل اور اس کے بہت سے حصّوں کا ترجمہ ہندی زبان میں آگیا۔ یہ ایک ایسا سلسلہ ہے جو اس وقت سے اب تک جاری ہے۔ ہندی زبان کی ترقی و اشاعت میں سیاست ہند نے بھی نمایاں حصّہ لیا ہے۔ کانگریس اور اس کے تمام کرتا دھرتا ہندی کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوئے۔ کانگریسی کارروائیاں اور تحریروں و تقریریں سب ہندی کی مددگار ہو گئیں۔ صحافتی شعبے قائم ہوئے۔ ہندی کے اخبار و رسائل جاری کئے گئے۔ مختلف زبانوں کی ضروری کتابوں کے ترجمے کئے گئے۔ یورپ کے بڑے بڑے مدبرین و مشاہیر کے خیالات اور ان کے اعلیٰ مضامین نیز ان کی مستقل کتابیں جو مختلف علوم و فنون کے ساتھ ساتھ ملکی سیاسیات کے

لئے سبق آموز کھیں۔ ہندی کے مترجمین نے انھیں اپنا لیا۔ انگریزی و جرمنی زبانوں کے وہ خصوصی شاہکار جو غلامی و آزادی کے درمیان اپنی دیواروں سے زیادہ مضبوط و مستحکم تھے اور جن کے مطالعہ سے آزادی کی روح سینوں میں تڑپ اٹھتی کہے۔ ہندی ادب کے دامن پر موتیوں کی طرح بکھر گئے۔

ایک طرف تو کانگریسی دل و دماغ کا رفرما تھے جو مغرب کے جواہر پاروں کو جن میں کرما ویر ہند کے لئے درگوش بنا رہے تھے۔ دوسری طرف کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اپنی تہذیب و معاشرت کی اصلاح اور مذہبی زندگی کے طالب تھے۔ وہ ان غیر فانی درسیات کی جستجو کر رہے تھے جن سے انسانیت کی سچی تشکیل ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں انھیں جو بیش بہا خزانے ہاتھ آئے وہ زندہ جاوید مہستیوں کے کارنامے اور ان کے سوانح ہیں، یعنی پیشوا ایاں و بانیاں مذہب کے حالات زندگی اور ان کے ارشادات۔ یہ سب چیزیں جن کا اجمالاً ذکر کیا گیا دیگر زبانوں سے ہندی زبان میں لائی گئی ہیں۔ جن کی آمد سے ہندی زبان کا ذخیرہ بہت بڑھ گیا ہے۔

تراجم کے سلسلہ میں ہندی ادب نے بنگالی، مرہٹی، گجراتی اور تامل سے بھی بہت کچھ امداد حاصل کی۔ ان زبانوں کی کتابوں کے معتد بہ ترجمے ہندی میں ہیں۔ یہاں یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ فورٹ ولیم کالج میں جس ہندی نے جنم لیا تھا وہ سیدھی سادی

اور شہر میں ہونے کے باعث مقبول عام اور دیر پا کھتی۔ چنانچہ زمانہ
 حال تک جتنی تصنیف و تالیف اور حسن قدر تراجم ہوئے زیادہ
 سے زیادہ اسی جدید ہندی میں ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ اسی بیاسی
 برس میں ہندی کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ ابتداء اکثر لوگوں کو خیال تھا
 کہ اردو سے ہندی علیحدہ ہو کر سنسکرت کے نقش قدم پر چلے۔ اگر یہ خیال
 کامیاب ہو گیا ہوتا تو ہندی کو جو ترقی آج حاصل ہے نہ حاصل ہوتی
 ہوتی۔ اس کی رفتار لٹی ہو جاتی۔ آگے اٹھنے والے قدم پیچھے ہوتے۔
 جس رفتار کو اس نے روز اول ترک کیا اسے بعض حضرات پھر اختیار
 کرنا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ معلوم ہے۔

جدید ہندی کی داغ بیل جب پڑ رہی تھی تو اس وقت یا اس
 کے قریبی زمانہ کی تصانیف اکثر ایسی ہیں جن کے مطالعہ سے معلوم
 ہوتا ہے کہ ہندی نشر و قسم کی کھتی۔ ایک آسان اور دوسری مشکل۔
 مثال کے لئے راجہ شیو پرشاد ستارہ ہند اور راجہ لکھن سنگھ
 کی تصنیفات دیکھی جائیں تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ سہل ہندی کا
 انداز کیا تھا اور مشکل ہندی کا طریقہ کار کیا ہے۔

راجہ شیو پرشاد صاحب بنارس میں اسکولوں کے ناظم تھے۔
 ان کی کوشش سے ہندی نصاب مدراس میں داخل ہوئی۔
 انھوں نے بہت سی کتابیں ہندی میں لکھوائیں اور خود بھی لکھیں۔
 ان کی کتابوں میں سنسکرت کے ادق الفاظ نہیں ہیں۔ کتاب کو

آسان اور عام فہم بنانے کے لئے فارسی کے وہ الفاظ استعمال
کئے گئے ہیں جو ہندوستان کی روزمرہ میں داخل ہیں مگر راجہ
لکھن سنگھ شخصوں نے شکنتلا کا ترجمہ ہندی میں کیا ہے ان کی
ہندی سنسکرت کا گہرا پیر تو ہے جس سے ان کی زبان ادق ہونے
کی وجہ سے عام فہم نہ ہو سکی۔

راجا شिवپراساد

راجا کے جی پر ایک اچھوت سی छा गयी। नीची
निगाह करके गर्दन खुजाने लगा। सत्य बोला भोज नू डरता है
तुम्हे अपने मन का हाल जानने में भी भय लगता है। भोज ने
कहा कि नहीं इस बात से तो नहीं डरता क्योंकि जिसने अपने
तई नहीं जाना उसने फिर क्या जाना।

(राजा भोज का सपना से)

راجہ کے جی پر ایک عجیب دہشت سی چھا گئی۔ نیچی
نچاہ کر کے گردن کھجانی لگا۔ ستیہ بولا بھوج تو ڈرتا ہے
تجھے اپنے من کا حال جاننے میں بھی کچھ لگتا ہے بھوج
نے کہا کہ نہیں اس بات سے نہیں ڈرتا کیونکہ جس نے
اپنے تئیں نہیں جانا اس نے پھر کیا جانا۔

(از راجہ بھوج کا سینا)
راجہ شیو پرشاد ستار کا ہند

راجا لक्ष्मणसिंह

گوتमी—کول بھوؤں کے لیئے یہ اُپدیش بہت سرشت ہے۔
 اِسکو دھیان میں رلویو۔

کےو—بےڈی، آا موب سے آور آپنی سلویوں سے اک ویر فیر
 میل لے۔

شکونتلہ—(کےو سے ہنٹ کر) ہاے، میں پیتا کی گود سے
 نیاری ہوکر ملایاگیر سے اُکھاڈے چندن کے پائے کی
 ہاؤتی ویرہنی ہومی میں کسے اُکھوگی۔

(کالیداس کے اُپنیژان شکونتلہ کا اُنوباد)

گوتمی۔ کل بدھوں کے لئے یہ اُپدیش بہت سرشت ہے۔
 پُتری اس کو دھیان میں رکھیو۔

کنو۔ بیٹی۔ آا مجھ سے اور اپنی سکھیوں سے ایک بیرکھیل لے۔
 شکونتلہ۔ (کنو سے کھینٹ کر) ہائے میں بیتا کی گود سے نیاری

ہوکر ملایاگری سے اُکھاڈے چندن کے پودے کی

کھانت ہیونی، کھوم میں کسے جیوں گی۔

(ترجمہ اُپجیاں شاکش)

راجہ پھین سنگھ

معنی:۔

بدھو = بہو

ہیونی = پرائی

اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے جدید ہندی کو اردو کے نقش قدم پر چلایا ہے انھوں نے اس پر بڑا احسان کیا ہے۔ انھیں حضرات کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ نئی ہندی میں نشوونما کی پوری پوری استعداد ہے جو ہندی نظم و شعر دونوں کو نئے سانچوں میں ڈھال کر آگے بڑھاتی جاتی ہے۔ ہندی شبد ساگر (لغات) کی تیاری میں بھی بڑی دانشمندی سے کام لیا گیا ہے۔ یہ ناگری پر چارنی سمجھا کا بہترین کارنامہ ہے۔ یہ لغت آٹھ جلدوں میں ہے۔ اس میں ہر طرح کی نئی بُرائی ہندی کے الفاظ جمع کئے گئے ہیں یہاں تک کہ عربی و فارسی کے وہ الفاظ جو ہندی میں مستعمل ہو کر رواج پا گئے تھے۔ وہ بھی جمع کئے گئے ہیں۔ ان کے استعمال سے ہندی زبان کی توسیع مقصود ہے۔

ہندی کی جدید تصانیف نشر | سطور بالا میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ راجہ شیو پرشاد کی کوشش سے ہندی اسکولوں تک پہنچی۔ یہ ہندی نشر کا ابتدائی زمانہ تھا۔ تاہم یہ ہندی کا وہ نیا دور تھا جس کے بڑھتے ہوئے حوصلوں میں ہندی ادب کی رفتار تیز ہونے والی تھی۔ چنانچہ ایسا ہوا۔ اب ہندی کی ترقی ریلروں سے آگے بڑھی جس کا خیر مقدم کرنے والوں میں بالو بہار چند دہریش چند۔ پنڈت بال کرشن بھٹ۔

پر تاب نرائن مصر۔ پنڈت بدیدی نرائن چودھری۔ چھاپہ گاہیں سنگھ۔
 بابوسری نواس داس۔ بابو رادھا کرشن داس وغیرہم کے نام قابل
 ذکر ہیں۔ ان لوگوں کے ادبی ذوق نے مختلف اقسام کی کتابیں
 اور دوسری زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کئے۔ اخبارات و رسائل
 جاری کئے، بابو ہریش چندر نے ہندی نثر میں وہ حدت اور تازگی
 پیدا کی جس نے ادبی ذوق کو اکھارا اور مختلف اقسام کی کتابیں
 تصنیف ہوئیں۔ انھوں نے کئی نامک لکھے اور سنگالی اور سنسکرت
 ڈراموں کے ترجمے بھی کئے۔ ”ہریش چندر میگزن اور ہریش چندر پتر کا
 جاری کیا۔ (نمونے درج ذیل ہیں) :—

भारतेन्दु बाबू हरिश्चन्द्र

इन्द्र—कहिये इस समय कहाँ से आना हुआ ?

नारद—अथाध्या से । अहा ! राजा हरिश्चन्द्र धन्य है । मैं तो
 उसके निष्कपट और अकृत्रिम सुभाव से बहुत ही
 सन्तुष्ट हुआ । यद्यपि इसी सूर्य कुल में अनेक बड़े बड़े
 धार्मिक हुए पर हरिश्चन्द्र तो हरिश्चन्द्र ही है ।

इन्द्र—आप ही आप । यह भी तो उसका गुण गाते हैं :

(सत्य हरिश्चन्द्र नाटक से)

اندر۔ کیسے اس سچے کہاں سے آنا ہوا ؟

نار۔ اچودھیا سے۔ آہا ! راجہ ہریش چندر دھنیہ ہے۔ میں تو
 اس کے تشکیٹ اور اکرتم سپہاؤ سے بہت ہی شگفتہ

ہوا نہ یدر بیہ اسی سوریہ کل میں انیک بڑے بڑے دھارمک
ہوئے بڑے بڑے شیخندہ تو ہر شیخندہ ہی ہے۔

اندرو (آپ ہی آپ) یہ بھی تو اس کا گن گان کرتے ہیں۔
(از مسرت ہر شیخندہ ناطمک)

بھارت اندر بالو ہر شیخندہ

نشکیٹ = بلا بغض و کینہ۔

اکثر تر م = قدرتی۔

منتشٹ = مطمئن

بالکھٹن بھٹ

کینتو رپیچ سے باتچیٹ کا ڈنگ ہی نیرالا ہے۔ باتچیٹ
میں وکتا کی ناچ نہخرا جاہیر کرنے کا سوا نہی دیا
جاتا کی وہ بڑے انداز سے گین گین کر پائے رختا دھوا
پولپٹ پر جا لڑا ہو اور پوریاہ واکن یا ناہی پاٹ کی
ہانتی بڑیوں تک ساہیان مزلتس، چیرمیں، لہڈیج اُند
جنتیلمین کی بہن سہ ستوتی کرے کراہے اور تب کسی ترہ
وکتا کا آراہ کرے۔

('باتچیٹ' شریک لکھ سے)

کینٹ ایسیج سے بات چیٹ کا ڈھنگ ہی برا ہے۔ بات چیٹ
میں وکتا کو ناز و خزا ظاہر کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا کہ وہ

بڑے انداز سے گن گن کر یاؤں رکھتا ہوا پلیٹ پر جاکھڑا ہوا
اور بنیادہ واجن یا تاندی پاٹ کی بھانت گھڑیوں تک
صاحبان مجلس، چیرمین، لیڈرز اینڈ جنٹلمین کی بہت سی
اسٹٹ کر نے کراؤ سے اور تب کسی طرح وکرتا کا آرمبھ
کرے۔

(از مقالہ بات حیت - بالکرشن بھٹ)

وکرتا = ایسیج وکرتا = اسپیکر۔

آرمبھ = شروع کرنا۔

بنیادہ واجن = کلمات خیر۔
تاندی پاٹ = پرو لوگ۔

گای کृष्णदास

एक दिन शंकराचार्य गाँव से थोड़ी दूर पर अपने किसी
आत्मीय के घर पर गये थे। रास्ते में एक सुद्र नदी पड़ती थी
उस नदी में बहुत ही कम जल था इससे सब लोग अनायास पार
चले जाते, नाव का प्रयोजन न होता।

ایک دن شنکر اچاری گاؤں سے کھوڑی دور پہ اپنے
کسی آستھی کے گھر گئے تھے۔ راستے میں ایک چمدرندی
پڑتی تھی۔ اس ندی میں بہت ہی کم جل تھا۔ اس سے
سب لوگ انا یا س پار چلے جاتے۔ ناؤ کا یہ وجہ نہ ہوتا۔
(از آریہ چرتر شنکر اچاریہ)
رادھا کرشن داس۔

آگنی = عزیز۔ پر وچن = ضرورت۔
چھدر = چھوٹی۔ اتنا یا سن = بلاجنت کے۔

ہندی مضامین لکھنے والوں میں جنھوں نے امتیازی شان حاصل کی ان میں پنڈت بالکرت جھٹ و بالکند گیت و پنڈت پرتاب نرائن مہری و پنڈت بدری نرائن چودھری اور ٹھاکر جگموہن سنگھ وغیرہ ہیں۔ سری نواس داس اور بابور ادھاکرشن داس نے ہندی زبان میں تمثیل نگاری کا حق ادا کیا۔ اخبار نویسوں میں بابو بالکند گیت نے بہت ترقی حاصل کی۔ اسی زمانہ میں آریہ سماج کی مذہبی تصنیفات پنڈت جگیم سین شرما نے کئی جلدوں میں تیار کیں۔ ان سے پہلے آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی نے اپنے تمام مذہبی مضامین ہندی میں لکھے جسے آریہ بھاشا کہتے ہیں۔ ان لوگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ ہیں جنھوں نے اپنی اچھی تصنیفات سے ہندی ادب کو ترقی دی اور نہایت عمدہ مقالے۔ افسانے۔ ناول اور ڈرامے لکھے جن سے ہندی زبان اب مالا مال نظر آتی ہے۔ ایک عرصہ دراز سے ملک کی کچھ ہستیاں انھیں زبان میں ادب تیار کرنے کی کوشاں تھیں جو ہندی اردو کے درمیانی زبان ہو۔ انشاء اللہ خداں کی ”رائی کیتلی کی کہانی“ جس کا نمونہ پہلے دیا جا چکا ہے اسی ضمن میں آتی ہے۔ پنڈت اجودھیا سنگھ (یا دھیا) نے بھی ”کھٹیم ہندی کا کٹھا ٹھہ“ اسی مقصد سے لکھا ہے جس کا نمونہ درج کیا جاتا ہے۔

अयोध्यासिंह उपाध्याय

घर में जब यह दोनों साथ खेलते, उस घड़ी हेमलता की आँखों को इनकी जोड़ी देख कर बड़ा सुख मिलता। जब यह दोनों छोटे थे, उन दिनों हेमलता इनको कभी कभी फूलों से सजाती और दोनों को अपने गोद में बैठा कर सरस-सुख खुदती।

(ठेठ हिन्दी का ठाठ)

گھر میں جب یہ دونوں ساتھ کھیلتے، اُس گھڑی پریم تہا کی
آنکھوں کو ان کی جوڑی دیکھ کر بڑا سگھ ملتا۔ جب یہ دونوں
چھوٹے تھے، اُن دنوں پریم تہا اُن کو کبھی کبھی پھولوں سے
سجاتی اور دونوں کو اپنی گود میں بٹھال کر سرگ سگھ لوٹتی۔
(راز کھٹیتھ مندی کا کٹھاٹھ)
ابو دھیا سنگھ آبادھیا

تمثیل | کسی قوم یا ملک کی اصلاح کے لئے اچھے خراب اعمال اور
ان کے نتائج کی تمثیل صورت میں پیش آنا نہایت مفید
ثابت ہوا ہے۔ یوں تو بہت سے ایسے قصے اور ایسی کہانیاں ہیں جو
مختلف قسم کی اچھی باتیں سکھانے یا بُری باتوں سے بچانے کے لئے
لکھی گئیں۔ لیکن ان میں تو زیادہ اثرات اس واسطے نہیں ہوتے جتنے
ہوئے کہ جو کچھ کہا گیا وہ کر کے دکھایا نہیں گیا۔ یہ تو صرف واقعات

بھلا ہوئے لیکن نظر نہیں آئے۔ بات یہ ہے کہ انسان جو کچھ سنتا ہے اس سے کم متاثر ہوتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قصص و حکایات کے مقابلہ میں تمثیلات کو زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ تمثیلات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قابل عمل اور دوسری ناقابل عمل۔ یورپ کے بعض نقاد کا قول ہے کہ تمثیل وہی ہے جو اسٹیج کے لائق ہو۔ یعنی جو عملی صورت میں پیش ہو سکے۔ ناقابل عمل تمثیلات کو زیادہ سے زیادہ ناول یا افسانے کا درجہ مل سکتا ہے اور بس تمثیل یا ناٹک کے لئے یہ ضروری ہے کہ سماعت اور بصارت دونوں ساتھ ساتھ متاثر ہوں۔

تمثیل نگاری میں آغا حشر مرحوم کو اگر فخر ہندوستان کہا جائے تو بجا ہے۔ وہ اپنی کامیاب تصانیف کی بدولت شکسپیر آف انڈیا کہے جاتے ہیں۔ اس اعلیٰ کامیابی کا راز اسی میں ہے کہ ان کے تمام ڈرامے ناٹک گھروں کی جان ہیں۔ اردو کے مائے ناز گلبرامہ نویس کا ذکر محض مثال کے طور پر پیش کیا گیا۔ اب مجھے ہندی سینکڑوں ڈرامہ نگاروں کا جائزہ لینا ہے۔

انگریزوں کی آمد سے پہلے نہ تو تھیٹر کی کمپنیاں تھیں نہ ان کے حلقہ کار تھے۔ تمثیل کا پھوڑا بہت رواں جھا بھی تو وہ نہایت ناقابلِ حوالہ تھے۔ بٹوں اور نقالوں کے سیر دکھنا۔ شرفاء اور پڑھے لکھے لوگوں کو اس سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ اگر کبھی تو

صرف شادی بیاہ کے موقعوں پر تفریحی مذاق و مضحکات کے لئے۔
 انگریزوں کی آمد اور کھیت گھروں کی آبادی کے بعد بھی تمشیل نگاری
 میں جو حصہ لیا گیا وہ مذہب کے ماتحت تھا۔ جس کی مثال رام لیلہ
 ہے، جو اب بھی دسہ کے زمانے میں اکثر مقامات پر منائی جاتی
 ہے۔ (مستی جوالا پر شاد کے طریقہ نامک نوجوانوں کے لئے
 تخریب اخلاق کے سوا کچھ نہیں رکھتے۔ ان لوگوں کے علاوہ بھی اور لوگوں
 نے نامک لکھے۔ لالہ سری نواس داس نے ”دن پیر“ اندھیریم موہنی۔
 سنجوگتا سوکیر وغیرہ اور ”رادھا کرشن داس“ نے ہمارا ناپرتاب تصنیف
 کیا۔ یہ تصنیف ادبی حیثیت سے خوب ہیں۔ پریم گمنی کا کھارت سوا باکھ
 بھی اچھا ڈرامہ ہے مگر طولانی۔ یا بودی پر شاد پورن کا چندر کلا کھالو کمار
 منظوم ڈراما ہے اور اپنی طرز میں اچھا ہے۔

ناول نگاری | ہندی زبان میں ناول نگاری اس وقت
 شروع ہوئی جب کہ جنگال ناولوں کے
 تراجم سے ہندی داں طبقہ لذت یاب ہوا۔ سب سے پہلے
 پنڈت کشوری لال گوسوامی نے طبع زاد ناول لکھے۔ ان کی تصنیف
 میں ادبیت کا وہ جوہر نہیں ہے جو انگریزی ناولوں میں عام طور
 سے پایا جاتا ہے۔ زبان اپنے معیار سے گری ہوئی اور ظرافت
 بھی بے موقع ہوتی ہے، تاہم ان کی کثیر تصانیف سے ہندی
 کے ذخیرہ میں اور اضافہ ضرور ہوا۔

ہندی ناولوں میں بابودی کی نندن کھتری کی ”چندر کانتا“ نہایت اچھی تصنیف ہے۔ لیکن ادب کے یارہ سے گری ہوئی ہے۔ اس کی دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ اس کے پڑھنے کے لئے بہت سے جاہلوں نے ہندی اسیکھی۔ یہ خصوصیت ہندی کے کسی دوسرے ناول کو نصیب نہیں ہوئی۔ (نمونہ ملاحظہ ہو)۔

तेजसिंह ने उस सिपाही को एक पेड़ के साथ कस के बाँध दिया और देवीसिंह से कहा—“अब तुम यहाँ कुमार के पास ठहरो मैं जाता हूँ। जो कुछ हाल है पका पका पता लगा लाता हूँ।” देवीसिंह ने कहा—“अच्छा जाइये।” तेजसिंह ने देवीसिंह से कई बातें पूछीं और उसी सिपाही का भेष बना किले की तरफ रवाना हुआ।

(देवकी नन्दन खत्री — चन्द्रकान्ता से)

تیج سنگھ نے اس سپاہی کو ایک پیڑ کے ساتھ کس کے باندھ دیا اور دیوی سنگھ سے کہا اب تم یہاں کمار کے پاس کھڑے رہو جاتا ہوں۔ جو کچھ حال ہے پکا پکا پتا لگا لاتا ہوں۔ دیوی سنگھ نے کہا ”اچھا جائیے“۔ تیج سنگھ نے دیوی سنگھ سے کئی باتیں پوچھیں اور اس سپاہی کا کھیش بنا قلعہ کی طرف روانہ ہوا۔

(از چندر کانتا)

دیوی نندن کھتری

ہندوستان کے مشہور ناول نگاروں میں بخشی پریم چند ہیں۔
 انھوں نے پہلے اردو میں ناول لکھے اور اردو ہی میں ناول نگاری
 کی مشاطی پیدا کی۔ یہی عشق ہندی میں بھی کام آئی۔ ان کی پہلی ہی
 تصنیف سنیو اسدن۔ ہندی داں طبقوں میں مقبول ہو گئی اور
 جب دوسرا ناول پریم آشرم لکھا تو ان کی طرز نگارش و تجزیل گمانہ
 کی دھوم مچ گئی۔ ”نرملہ“ عین۔ رنگ بھوم اور کایا کلب وغیرہ
 نے ہندی ادب کی کایا ہی پلیٹ دی اور یہ ناول نہایت مقبول
 ہوئے۔ بخشی پریم چند کے متعلق یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ انھوں نے
 ہندی ناول نگاری میں شاندار دور کی ابتداء کی۔ ان کی کامیابی کا راز
 خود ان کی حسب ذیل خصوصیات میں ہے:-

۱۔ سماجی زندگی کی مصوری اور اس کی خرابیوں کو دور کرنا۔

۲۔ دیہاتیوں کے دکھ سکھ کا احساس کرنا۔

۳۔ انسان کی نفسیاتی تصویر کشی و اصلاح۔

۴۔ طنز و تشبیہ کے عرصے میں چٹکیاں بٹینا۔

۵۔ حقائق نگاری کرنا۔

۶۔ بیان کی روانی زور اور بلا نا عجز۔

کرنا۔ یہ وہ خاص موضوعات ہیں جو پریم چند کی شہرت اور ان کی تصنیفات
 کی جان ہیں۔ ان کا آخری ناول گنودان ہے۔ جو ان کا آخری
 شاہکار ہے۔

بابو جے ششکر پریشاد کی مشہور تصنیف ”کنگال“ ہے۔ اس ناول میں منگل دیو اور تارا دونوں کے متضاد کیرکٹر مختلف اثرات کے ماتحت مناسب الفاظ میں اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ محبت اور نفرت کا صحیح جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ انداز نگارش سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف کو سیرت نگاری میں ملکہ حاصل ہے۔ اس ناول میں واقعات دردناک اور ٹوٹے ہیں کیونکہ سماج کے اندرونی حالات کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔

ناول نگاری میں سرائے رسانی بہت دلچسپ موضوع ہے۔ انگریزی مصنفین نے اس موضوع پر عجیب و غریب داستانیں لکھ کر حیرت انگیز واقعات اور محویت خیز دلچسپیوں سے ناول کی دنیا ہی بدل دی۔ بہرام کی گرفتاری نیلی چھتری مصنفہ ظفر عرغاں اسی عنوان کی تحت میں ہے جس کا تمام ہندوستان میں ڈنکا بجا ہے۔ گیمبرجی نے سرائے رسانی کے انگریزی ناول کا ترجمہ ہندی میں کیا اور خود بھی ہندی زبان میں متذکرہ بالا موضوع پر ناول لکھے ہیں۔ لیکن ان کی زبان معیار ادب سے گری ہوئی دیہاتی ہے۔

افسانہ | ہندی میں افسانہ نگاری کی بنیاد گرجا کار گھوش نے رکھی۔ ان کے بعد جے شکر پریشاد، پریم چند، جے شکر ناتھ شرما، مسد رشتن اور ہر دیش وغیرہ نے افسانہ نگاری

ہندی افسانوں کی یا یعنی متدرجہ ذیل ہیں :-

(۱) افراد کی خصوصیات کا بیان کرنا۔

(۲) سماج کی خرابیوں کا اظہار کرنا۔

(۳) تاریخی تذکروں کا بیان کرنا۔

اکثر افسانے فلسفیانہ رنگ میں بھی لکھے جاتے ہیں۔ علاوہ
 بریں دیگر مقاصد کو ادا کرنے کے لئے بھی چھوٹی چھوٹی کہانیاں وضع
 کی جاتی ہیں۔ جے شنکر پرشاد کے افسانوں میں جا بجا شاعری کا
 لطف بھی آتا ہے۔ تاریخ کا مزہ بھی ملتا ہے اور افراد کے نفسیات
 کی آئینہ داری بھی ہوتی ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن سے ان کا افسانہ
 افسانہ ہو جاتا ہے۔ جے شنکر پرشاد اور پریم چند کی افسانہ نگاری بھی
 اپنی اپنی جگہ خوب ہے۔ ان دونوں میں جو فرق ہے وہ بھی لطیف ہے۔
 پریم چند کے یہاں دلچسپ واقعات ہیں تو جے شنکر پرشاد کے یہاں
 دلکش جذبات۔ ایک واقعات کی تصویر کشی میں کمال رکھتا ہے تو دوسرا
 جذبات کی مصوری میں چابک دست ہے۔ لشمبھن ناتھ شرما کی کہانیوں میں
 خانگی زندگی کی اصلاحات ہوتی ہیں۔ یہ اپنے رنگ میں ایسا ثانی نہیں
 رکھتے۔ سُدرشن کے افسانوں میں قدامت پرستی کو بہت کچھ دخل ہے۔
 مقصد کی یا کسری سے انکار نہیں، لیکن مندرستان کے پُرانی
 گائے ہوئے گیت افسانوں میں افسانوی کیفیت نہیں پیدا کرتے
 ہر دلش کی دلچسپ کہانیوں میں شاعری اور زبان میں رنگینی ہے۔

ان کے یہاں واقعہ نگاری نہیں ہے۔ (نمونے ملاحظہ ہوں۔)

विश्वम्भरन थ शर्मा कौशिक

میں बहुधा यह सोचा करता हूँ कि लोगों को बटेर वाजी, कबूतर वाजी, पतंग वाजी में क्या मजा आता है ? मुझे तो यह सोलहों आने हिमाकत वाजी दिखाई पड़ती है । परन्तु उन्हें कुछ तो मजा आता ही होगा, तो वे उसमें समय तथा धन नष्ट करते हैं । उस मजे को हम आप नहीं समझ सकते । इसी प्रकार देवता वाजी के मजों का अनुमान हम आप नहीं लगा सकते । हाँ देवता वाजों को किस बात में आनन्द मिलता है इसको मैंने समझने का प्रयत्न किया है ।

(विजयानन्द दुबे जी की चिट्ठी)

میں بہودھایہ سوچا کرتا ہوں کہ لوگوں کو شیر بازی، کبوتر بازی، پتنگ بازی میں کیا مزہ آتا ہے۔ مجھے تو وہ سولہواںے حماقت بازی دکھائی پڑتی ہے۔ پرنتو انھیں کچھ تو مزہ آتا ہی ہوگا تبھی تو دے اس میں سکے تہتا دھن نشٹ کرتے ہیں۔ اس مزے کو ہم آپ نہیں سمجھ سکتے۔ اسی پرکار دیوتا بازی کے مزے کا انماں ہم آپ نہیں لگا سکتے۔ ہاں دیوتا بازوں کو کس بات میں آئند ملتا ہے۔ اس کو میں نے سمجھنے کا پیرقین کیا ہے۔

(از جا دونند دہ بے جی کی چٹھی)

بشمبہر ناگھ شرما کوشک

پرم چنڊ

رات کا समय था। तेहान में मातम छाया हुआ था।
कहीं दीपक या अग्निका प्रकाश न था। न किसी ने दिया
जलाया और न भोजन बनाया। अकर्मियों की चिलमें भी
आज ठंडी हो रही थी। मगर कब्रिस्तान में मशालें रोशनी थीं—
शाहजादे की अन्तिम किया हो रही थी।

‘वज्रपात शीर्षक कहानी से’

رات کا سہمے کھٹا۔ طہران میں ماتم چھایا ہوا تھا۔ کہیں
دیپک یا آگنی کا پرکاش نہ تھا۔ نہ کسی نے دیا جلایا اور
نہ کبھوچن بنایا۔ انجیوں کی چلیں بھی آج ٹھنڈی ہو رہی
تھیں۔ مگر قبرستان میں مشعلیں روشن تھیں۔ شہزادے
کی انتہم کریا ہو رہی تھی۔

(از افسانہ تجربات)

بدیم چند

जयशंकर 'प्रसाद'

सुख जीने में है बलराज ! ऐसी हरी भरी दुनियाँ फूल
बिलों से सजे हुये नदियों के सुन्दर किनारें, सुनहला सबेरा,
चाँदी की रातें ! इन सबों से मुँह मोड़कर आँखें बन्द कर लेना !

ہے۔ وہ اگر چائے ہے تو یہ میٹھا دودھ۔ چائے اور دودھ کی
میلنا کس نے کی ہے۔

اسنیرہ میٹھی = محبت سے لبریز۔
میلنا = مقابلہ۔

اُتیج = اعلیٰ۔
وستو = چیز۔

(از دھرم سوترا افسانہ)
سدرشن

اشخاص مذکورہ کے علاوہ ہندی زبان میں اور بھی اچھے
اچھے افسانہ نگار ہیں۔ مثلاً چتر سین شاستری۔ رائے کرشن داس۔
دنو دشکر ویاس وغیرہ۔ جن کے قلم نے ہندی ادب کو تقویت
پہنچائی۔

چتر سین شاستری

ابھی ککڑیوں کھائے؟ وہ تو کھو، میں چار رے لایا تھا۔
دو بیک گئے، دو بے ہیں، لینا ہو تو لو، مول باغ کا کام
نہیں، چوٹی لون گا۔

(ککڑی کی قیمت سے)
ابھی ککڑیاں کہاں؟ وہ تو کہو میں چار روے لایا تھا۔
دو بیک گئے، دو بے ہیں، لینا ہو تو لو، مول بھاؤ کا کام
نہیں، چوٹی لون گا۔

(از افسانہ گکڑی کی قیمت)
چتر سین شاستری

وینود شکر ویاؑ

جوانی کے سرس دینوں میں کسی کے اُپر اپنا سرفرف
نلؑاوار کر دینے کی اؑوا اس یر مرٹنے کی کلینا کتنی مسکند
ہوتی ہے۔ دُنیا میں لوگ اسے یا گل بن سمجھتے ہیں لیکن
کون ایسا ہے جس نے اپنے جیون میں ایک بار اس کا
انجھونہ کیا ہو۔

—'بھولی بات' شلرؑک کھانی سے ।

سرس = شیریں۔
سرفرف = سب کچھ۔
کلینا = خیال۔
مسکند = آرام دہ۔
انجھو = اؑساس۔
(انجھولی بات)
دلوز شکر ویاؑ

ناری گوا-ءار کے سہارے خڈی تھی۔ اسکا آءا شریر
لتا کی آوٹ میں آا۔ وہی سے وھ اپنے یرؑ کا یراکرم دفر
رہی تھی، آناند کی کھکے لگا رہی تھی !

हैं उसी दिन अन्तःपुर का प्रारम्भ हुआ था ।

— अन्तःपुर का प्रारम्भ
(रायकृष्णदास)

ناری گوہار دوار کے منہ پر کھڑی تھی۔ اُس کا آدمی
شریہ لتا کی اوٹ میں کھتا۔ وہیں سے وہ اپنے پریش کا پیکر
دیکھ رہی تھی، آنتر کی کوکس لگا رہی تھی۔

ہاں اُسی دن انھم یور کا پیرا ریمچہ ہوا کھتا۔

گوها = غار۔ لتاء = بیل۔
اشک پور = محل سرا۔ پیرا گرم = بہادری۔
پیرا رمجھ = شروعات۔

(از انتہہ یور کا پیرامیڈ)

راہے کرشن داس

مقالہ نگاری

مقالہ عربی لفظ ہے جو قان سے بتا ہے۔ اس کے لغوی معنی کسی ہونے بات کے ہیں، لیکن ادب کی

اصطلاح میں عموماً اس مضمون کو کہتے ہیں جو ادب و اصلاح سے متعلق ہو۔ طبع زاد ہو یا غیر طبع زاد معقولات میں ہو یا منقولات میں۔ اس کی تحت میں تمام علوم و فنون کے مختصر بیانات آسکتے ہیں۔ نشر کے تمام اصناف اور بیان کا جزو بنا کر مقالات میں لائے جاسکتے ہیں۔ منطق۔ فلسفہ۔ تاریخ۔ تنقید۔ مذہب۔ سیاست غرض کہ ہر قسم اور ہر نہج کے

مضامین مقالہ نویسوں کے قلم کا جو سر ہوتے ہیں۔ جدید ہندی میں مقالہ نویسی کی رسم ابتدا ہی سے کم ہے اور جو مقالے ملتے ہیں وہ ہندی ادب کے لئے نمایاں نہیں۔ پنڈت پال کرشن کھٹ اور یرتاب نرائن مصر کے کچھ مضامین ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ان کے ابتدائی زمانہ کی انشاپردازی ہے۔ مضامین کے ڈھنگ بھی اسی قول کی تائید کرتے ہیں۔ ان مضامین میں ظرافت کی چاشنی ہے، ادب کی دل آویزی نہیں۔ اس لئے دائرہ ادب میں انھیں کوئی امتیازی جگہ دینا مشکل ہے۔ مہا بیر پرشاد دویدی نے بھی اکثر مقالے لکھے ہیں۔ لیکن انھیں بھی کوئی ممتاز درجہ حاصل نہیں۔ گلاب رائے نے جو فلسفیانہ مضامین لکھے ہیں وہ بھی ہندی ادب میں جگہ نہیں پاسکتے ہیں۔ راجندر شیکل اور بابوشیام سندرداس کی مقالہ نویسی اچھی ہے۔ انھوں نے اچھے اچھے مضامین مختلف عنوان مختلف جذبات کے ماتحت لکھے ہیں۔ لیکن یہ لوگ بھی مقالہ نویسی کی کمی کو پورا نہیں کر سکے۔ البتہ پورن سنگھ نے اس کمی کو پورا کیا ہے، گوکہ ان کے چند مقالے ہی دستیاب ہوئے۔ مثال۔

بالمکوند گومت

نارنگی کے رات میں جاگراتی بساتی بڑی بھان کر شیب
شامو شامی خدیجا پر پڑے مہیوں کا آناوند لے رہے تھے۔ خیاالی

—घोड़े की جاگें ढीली कर दी थीं । वह मनमानी जकंदे भर रहा
 था । हाथ पाँव की स्वाधीनता दी गई थी । वे खटिया के तूल
 अरज की सीमा उल्लंघन करके इधर अधर निकल गये थे ।

نارنگی کے رس میں چافرائی، بستی بوٹی چھان کر
 شیو شمھوشر اکھٹیا پر پڑے موجوں کا آئندے
 رہے تھے۔ خیالی گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی کر دی تھیں۔
 وہ من مانی زکندیں گھر رہا کھتا۔ ہاتھ پاؤں کو سوا دھنتا
 دی گئی تھی۔ دے کھٹیا کے طول ارض کی سیما
 مانگھن کر کے ادھر ادھر نکل گیا۔
 فارسی الفاظ = زعفرانی۔ زکندیں۔ موج۔ خیالی۔
 طول۔ ارض۔

سوا دھنتا = آزادی۔
 مانگھن = کھیلنا۔
 (از "در آستانہ")
 بالملکت گیت

प्रताप नारायण मिश्र

चार दिन के पाहुन कछुआ, मछली अथवा कोड़ों की परसी
 हुई थाली, कुछ अमरोती खाके आए हैं नहीं, कौवे के बच्चे हुई

مہاویہر پرماد دھبیدی

آؤںں ڈٹاکر جرہ آؤر دہشوں ڈٹہہ آؤر آاتہوں کو آؤر ڈو دہکھہ۔ آہہ دہکھوں کو ساهٹہہ نہہ وہوں کو ساماجک آؤر راجکویہ سٹہٹہوں مں کسوں کسوں ٲرہہرتن کر ڈالوں ہں۔ ساهٹہہ نہہ وہوں سماج کو دہشا کولھ کو کولھ کر دی ہں؛ شاسن-ٲربنڈ مں بڈوں بڈوں ڈٹل ٲٹل کر ڈالوں ہں؛ یوں ڈک کو انودار آؤر دھارمک باوں کو بھی جڈ سوں ڈٹاڈ ٲوںکا ہں۔

‘سahٹہہ کو مہٹا’ لکھ سوں

آنکھ آکھاکر ڈرادرولشوں سٹہہ اور جاتہوں کو اور ڈو
دکھوں۔ آٲ دکھوں کو ساهٹہہ نہہ وہوں کو ساماجک
اور راج کپہہ استہٹہوں مں کسوں کسوں ٲرہہرتن کر ڈالوں
ہں۔ ساهٹہہ نہہ وہوں سماج کو دہشا کولھ کو کولھ کر دی
ہں۔ شاشن ٲربنڈ مں بڈوں بڈوں ڈٹل ٲٹل کر ڈالوں
ہں۔ یہاں ڈک کو انودار اور دھارمک بھاووں
کو بھی جڈ سوں آکھا ڈکھنا کا ہں۔

راج کولھ = سرکاری - ساماجک = سوشل - استہٹہوں = حالات -
ٲرہہرتن = تبدل - شاشن = حکومت - انودار = آزادہال -
دھارمک = مذہبی -

(از مقالہ ساهٹہہ کی مہٹہہ)

مہابہر ٲرہہرتن دھبیدی

رامचन्द्र शुक्ल

मीठے वचनों کو سنکر ہم سب لوگ سन्तुष्ट ہوتے ہیں۔ یہ سب باتیں ہمیں मनोनीत ہوتی ہیں، शिक्षा द्वारा प्रतिष्ठित आदर्श کے अनुکूल ہوتے ہیں۔

‘मित्रता’ शीर्षक लेख से

یہی بچپنوں کو سن کر ہم سب لوگ سन्तुष्ट ہوتے

ہیں۔ یہ سب باتیں ہمیں मनोनीत ہوتی ہیں، سکھادوارا

پرستش آدرش کے انکول ہوتے ہیں۔

سन्तुष्ट = مطمئن۔ मनویت = پسند۔ سکھا = تعلیم۔
پرستش = قائم کیا گیا۔ آدرش = نادر۔ انکول = مطابق۔

(از مقالہ ”سرتا“)

رام چندر شگل

श्यामसुन्दर दास

संसार में बहुत से ऐसे भी नीच और कुत्सित लोग होते हैं जो झूठ बोलने में अपनी चतुराई समझते हैं और सत्य को छिपाकर धोखा देने या झूठ बोल कर अपने को बचा लेने में ही अपना परम गौरव मानते हैं। ऐसे लोग ही समाज को नष्ट करके दुःख और संताप फैलाने के मुख्य कारण होते हैं। इस प्रकार का झूठ बोलना स्पष्ट न बोलने से अधिक निन्दित और कुत्सित कर्म है।

‘कर्तव्य और सत्यता’ लेख से

گھیر گیا چھپا ہوا ہے۔ ان لوگوں کے جیون میں
 ادھ کھٹ آتما بھو کھرا ہوا ہے۔ گڈ ریلے کے
 پیر لوار کی پریم مزدوری کا مول کون دے سکتا ہے۔
 پیرا کرت = قدرت۔ آگیاں = بیوقوف۔
 آدھ کھٹ = عجیب۔ آتما بھو = احساس خودی۔
 (از مزدوری اور پیرا)
 پورن سنگھ

حقیقت یہ ہے کہ ہندی ادب کے ابتدائی عہد میں ہندی کی
 گرامر کی طرف ادیبوں کی توجہ نہ تھی جس سے ادبی زبان اور نگارہ
 میں وہ خصوصیت نہیں تھی جو گرامر بننے کے بعد ہوئی۔ دورِ جدید میں
 یہ کمی جاتی رہی۔ مہا بیر پرشاد دویدی نے اس طرف توجہ کر کے
 جدید ہندی کی قواعد مرتب کی۔ دوسرا عیب جو لغات کی عدم
 ترتیب کی وجہ سے کھڑا رہا وہ بھی ”شبد ساگر“ کے عالم وجود میں آ جانے
 سے جاتا رہا۔ اب ہندی کے انشا پر دازوں کے لئے تمام راستے
 صاف ہو چکے ہیں اور ہندی ادب کی موجودہ ہیئت بہت کچھ خوشگوار
 ہے جس سے اُمید کی جاسکتی ہے کہ اس کا مستقبل اچھا ہو گا اور
 وہ زمانہ قریب تر ہے جب کہ ہندی کی انشا پر دازی درجہ تکمیل کو
 پہنچ جائے گی۔

سوانح عمری | سوانح عمری لکھنے کا دستور قریب قریب اُن تمام زبانوں میں ہے جن میں ایسی چیزوں کے جمع کرنے کی صلاحیت ہے۔ جس طرح ہر قوم کے لئے اس کی تاریخ ضروری ہے اسی طرح اس کے مشہور افراد کے حالات زندگی مفید ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان میں بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں جن سے اچھا سبق ملتا ہے۔ اسی لئے لوگ قوم اور ملک کے حدود کو عبور کر کے مشاہیر عالم کی اچھی اچھی سیرتیں اپنی زبان میں لکھتے ہیں یا ترجمہ کرتے ہیں۔ اس سے کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اپنی زبان اور اپنے ادب میں اصناف ہوتا ہے۔ تقلید و تاسی کے لائق افراد اور اُن کے حالات ملتے ہیں۔ سیرت کی دلچسپی سے عام لوگوں میں کتب بینی کی مزاولت پیدا ہوتی ہے۔ غرضیکہ سوانح عمری نہایت مفید ہے۔ جدید ہندی نے اس طرف بھی کافی ترقی کی ہے۔ اس وقت تک حقیقی سوانح عمریاں لکھیں یا دوسری زبانوں سے ہندی میں ترجمہ کی گئی ہیں اُن میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں:-

آنحضرت صلعم۔ سوامی رام تیرتھ۔ سوامی وویکانند۔ آتما کھٹا گاندھی جی۔ آتما کھٹا لاجپت رائے۔ موتی لال ہنرو۔ جواہر لال نہرو۔ بسکھاش چندربوس۔ شنکر آچاریہ۔ جتندر ناتھ داس۔ ہٹلر مونیوینی۔ نیولین بونا یارٹ۔ جے۔ این۔ ٹاٹا۔ گرلس اور روم کے مہا گیوش۔ جان اسٹورٹ مل۔ کاڈر۔ میزنی (شمنشاہ) اکبر۔ شیخ سعید دھانی۔

خدمت گار۔ راجہ ہندو پر تاب سنگھ۔ رانا ڈنڈے۔ سنت تو کارام۔
 گنیش شنکر و دیار کتی۔ رنجیت سنگھ۔ پرکھوی راج۔ و دیاساگر۔ ست نرائی۔
 ان کے علاوہ جدید ہندی میں اور بھی بہت سی تحسین سوانح نمایاں
 اب تک لکھی جا چکی ہیں۔ کچھ تو ایسی ہیں جو ہندی زبان و ادب کی خاص
 ملکیت ہیں اور کچھ فن تراجم کی مرہون منت۔

تراجم | یہ شیچ ہے کہ جو مرتبہ اصل کتابوں کو حاصل ہوتا ہے وہ ترجمہ
 کو نہیں حاصل ہوتا۔ ترجمہ کی حیثیت اس چیز کی سی ہے
 جو عاریتاً کسی غیر سے لے لی گئی ہو۔ دنیا میں جس طرح بغیر قرض اور
 عاریت کے کام نہیں چلتا اسی طرح زبان و ادب کی سرمایہ داری صرف
 اس کے مصنفین کی کوششوں سے نہیں ہو سکتی، کیونکہ ہر ایک
 زبان کی وسعت اس کے ممالک تک محدود ہوتی ہے۔ علمی۔ ادبی۔
 قومی۔ ملکی اور تمدنی قوانین عالمگیر اضافہ نہیں ہوتا۔ اس لئے
 مختلف قطعات عالم کی مروجہ زبانوں کے خزانوں سے گونا گوں
 جواہر پارے حاصل کئے جاتے ہیں۔ اسی طریقہ حصول کو فن ترجمہ
 کہتے ہیں جو دنیا کی تمام زبانوں میں جاری اور جاری ہے۔

تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ ہندی اس میدان میں بھی
 کامزن ہے۔ دیسی زبانوں میں بھارتی، بنگالی، مراٹھی، تامل وغیرہ اور
 غیر ملکی زبانوں میں انگریزی۔ روسی۔ فرانسیسی اور جرمنی وغیرہ سے
 بہت سی کتابیں اور مفید مضامین کے ترجمے ہندی میں کئے گئے ہیں۔

ان ترجموں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ادبیات کی تحت میں اور دوسری ملکی ضروریات میں۔ ادبیات میں مذکورہ زبانوں کے ڈرائے۔ افسانے۔ ناول۔ سوانح۔ علم معاشیات و فلسفہ تعلیم وغیرہ کی کتابوں کے ترجمے ہیں۔ وہ مغرب نثر ادناول جن کے ترجمے جدید ہندی میں کئے گئے ہیں۔ ان میں سے چند مشہور ناولوں کے نام یہ ہیں:۔

The woman in white شکل و سنا سندی

The Vicar of Wakefield پیریم کانت

Innocent شہلا

Silas Marner شکھ داس

Shyloc Homes گوبند رام

Strike ہڑتال (پیریم چند)

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہندی میں یہ جدت کی گئی ہے کہ جب

یورپین ناولوں کا ترجمہ کیا جاتا ہے تو ضرورت کے موافق ان کی ہیئت

بدل دی جاتی ہے۔ اشخاص ناول کے نام بھی بدل دئے جاتے ہیں

اور اس امر کی کوشش کی جاتی ہے کہ انگریزی طرز کا ناول ہندوستانی

پڑھنگ پر آجائے لیکن اس کوشش میں ابھی کامیابی نہیں ہوئی۔

عام ناکامی کے مختلف وجوہ ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جو ناول بڑا

ڈرائے یورپ میں لکھے گئے ہیں وہ وہیں کے ماحول اور وہیں کی تہذیب

کے مطابق ہیں۔ ہندوستان میں جب ان کا ترجمہ ہوگا تو ماحول اور

تہذیب بدل جائے گی۔ جس سے ترجمہ پر نمایاں اثر پڑے گا۔ نیز بعض زبان کے بعض الفاظ اور ان کی ترکیب ایسی ہوتی ہے کہ دوسری زبان میں ترجمہ ہو کر بجنسہ وہی مفہوم ادا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بھی ترجمہ زیادہ کامیاب نہیں ہوتا۔

وہی زبانوں میں بنگال کے شہرہ آفاق شاعر و ادیب رابندر ناتھ ٹیگور کی کتابوں کے ترجمے جدید ہندی میں بکثرت کئے گئے ہیں ان تراجم کی طویل فہرست یہاں نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں۔ جن کتابوں کے ترجمے قابل ذکر ہیں وہ یہ ہیں:۔

ٹیگور | روس کی تپھی۔ عید کا چاند۔ ڈاک گھر۔ آنکھ کی گرمی۔
براجین ساکھ۔ ہاسیہ کو تک جیون مورتی وغیرہ۔

ڈی۔ ایل رائے | بنگال کے مشہور و معروف ناول نگار اور
ڈرامہ نویس تھے۔ ان کی دلچسپ تصنیفات

ہندی کے مترجمین نے اپنے یہاں لے لیں جن کے نام یہ ہیں:۔
اس پار۔ ڈرگاداس۔ تارا بان۔ چندر گپت۔ رانا پر تاب۔ کلبیشم۔
مشا ہجماں۔ سبیتا اور بھارت رجنی۔

بنکم چٹرجی | ڈی۔ ایل رائے کے ناولوں کی طرح بنکم چٹرجی کے
ناول بھی بنگالی کے دل آویز شاہکار ہیں۔

درگیش نندنی۔ آئندہ مٹھ۔ اندرا۔ کیاں کنڈلا۔ رجنی وغیرہ وہ ناول
ہیں جنہیں کافی شہرت اور مقبولیت حاصل ہے۔ ان کے ترجمے ہندی

ادب کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کی رو میں آ گئے۔

سرت چندر جیٹرجی | بنگالی ناول نویسوں میں سرت چندر جیٹرجی کا نام خصوصیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ان کے

ناولوں نے بنگالی ادب کو بہت اچھا لایا ہے۔ جدید ہندی کے متلاشیان نے ان کے مقبول ناول منجھلی دیدی اور پڑی دیدی۔ چتر نسین اور دیہاتی سماج وغیرہ کے ترجمے سے اپنی چہیتی زبان کو سنبھالا۔

کالی داس | مہا بیر پرشاد دویدی جی کے ذوق ادب نے کالی داس کے منظوم ڈراموں کا ترجمہ کیا۔ مگر ان کے تمام ترجموں

میں صرف ”کار سنبھو“ کا ترجمہ اچھا ہے۔ ابھیان شاکنتل کا ترجمہ بھی کیا گیا۔ راجہ لکھن سنگھ کا ترجمہ زیادہ تر مقبول ہوا۔

شیکسپیر | انگریزی مشہور ادیب شیکسپیر کے ڈراموں کا بھی ہندی میں ترجمہ کیا گیا۔ لیکن مترجمین کے قلم نے لغزشیں

کھائیں۔ ان پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ لالہ سیتا رام بی۔ اے کا نام اس ضمن میں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

ٹالسٹائے | افسانوی دنیا میں ٹالسٹائے کے رسعات قلم نے کافی شہرت پائی۔ ان کے مندرجہ ذیل افسانے

جدید ہندی میں ترجمہ ہوئے۔ زندہ لاش۔ جیون کیا ہے۔ پھالسی ونگیا ناک کہانیاں۔ ٹالسٹائے کی کہانیاں۔ استری اور پریش۔ مالا کا ہر دم۔ ”جیسے کوتلیسا“ وغیرہ۔

مغربی مشاہیر ادب سوئٹ مارٹ۔ جس میں ایلن۔ جالسن۔
ڈرائی ڈن۔ گوئیٹے۔ برنارڈ شاہ وغیرہ کی کتابوں کا ترجمہ ہندی میں کیا
گیا۔ تمام مصنفین کے اسماء یا تصنیفات کی فہرست طولاانی ہے۔ لہذا
وومشتی نمونہ از خزوارے کے طور پر ذیل میں چند دلچسپ کتابوں کے
نام دئے جاتے ہیں:-

فادرانڈیا۔ فرانس۔ راج کرانتی۔ جاپان کی باتیں۔ بھارت کا گیتھ۔
بہادر شاہ کا مقدمہ۔ بگمیوں کے آلسو۔ آج کا روس۔ کانگریس کا آتماں۔
بھارتی وڈیا رکھی۔ سام واد۔ بھارت کا سرکاری دن۔ نازی ازم۔
فاسزم۔ ہندو سورا ج وغیرہ۔

جن لوگوں نے ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا انھیں اندازہ ہوگا
کہ جدید ہندی کا ادبی ذوق کہاں تک پہنچا ہے اور ہندی کے مترجمین
نے کیسے کیسے شاہکار اپنے یہاں جمع کئے ہیں۔

جدید ہندی نظم | مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندی نثراروں کے
ساتھ ساتھ ہندی شاعروں کا بھی مختصر تذکرہ کر دیا
جائے تاکہ زبان کے دونوں اصناف کی ترقی کا اندازہ ہو سکے۔ اس
سلسلہ کی شروعات ”بھارت اندوہریش چندر“ سے کی جاتی ہے، کیونکہ
ان کی شاعری جدید ہندی نظم میں نقش اولین کا مرتبہ رکھتی ہے اور ان
کے بعد والے تمام شعراء نے ان کی پیروی کی ہے۔ ہندی شاعری کے
اس دور تغیر میں ہریش چندر کی شخصیت اپنی اولیت کے لحاظ سے

نہایت اہم سمجھی جاتی ہے۔ ان کی قدر و منزلت ان کی تصانیف کی وجہ سے نہیں
 ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے ہندی شاعری کے لئے ایک جدید
 شاہراہ نکالی۔ عہد ماضی میں بھوشن کوئی لے عشقیہ شاعری کے خلاف
 ایڑی چوٹی کا زور لگایا کرتا مگر انھیں وہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جو اس نوع
 میں ہر شیخیدر کو اپنی حدت طرازی سے ہوئی۔ ہریش چندر کے ساتھ
 بھارت اندوکا الحاق غالباً خطابی صورت میں ہے جس کے معنی دہشتابند
 ہو سکتے ہیں۔ اس خطاب سے ہی ان کی زندگی پر کافی روشنی پڑتی ہے۔
 اگرچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے ہندی شاعری کے طرز قدیم کو بالکل
 ترک کر دیا۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ انھوں نے ایک نیا راستہ جاری کیا جو نہ صرف
 زبان و ادب کے لئے سرخ منزل ہے بلکہ ملک و قوم کے واسطے بھی جادہ
 مراد قرار پایا۔ ہریش چندر کے یہاں ایسی نظمیں پائی جاتی ہیں جو حسن و عشق
 کی پیرانی داستانوں سے ملتی جلتی ہیں لیکن ان کا جذبہ محبت ملی وطن کے لئے
 وقف ہے۔ ”بھارت دردشا“ ناٹک اسی جذبہ کے ماتحت لکھا گیا۔ اس
 ناٹک میں غلام دلیس کی تباہی و بربادی اور زبون حالی کی دردناک
 منظر کشی کی گئی ہے۔ دل سے نکلی ہوئی باتیں بھتیں دل پر گہرا اثر کیوں نہ
 کرتیں۔ قوم نے کروٹ بدلی۔ اپنے حالات کا جائزہ لیا۔ اصلاح عمل نے
 خیالات میں جگہ پائی۔ قومی زبان و ادب کو ہندوستان میں وسیع کرنے کی
 سعی و کوشش ہونے لگی۔ بھارت دردشا کے اثرات سے جو انقلاب
 پیدا ہوا اس کی سب سے بڑی تحریف یہ کی جاتی ہے کہ اس نے ہندی

ادب میں تئیر پیدا کر دیا۔

ہریش چندر کی شاعری ہندی ادب میں ایک نیا باب ہے۔ دوسرے شعرا نے بھی ان کی تقلید کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان سب کی متحدہ کوششوں سے قومی۔ ادبی۔ سیاسی اور تمدنی رنگ لکھنے لگا۔ تعلیم کا چرچا بڑھا۔ حالات بدلے تو جذبات و خیالات بھی بدلے۔ طبیعتیں بدلیں تو طبقوں کی کیفیتیں بھی بدلیں۔ اب شاعری بھی مجبور ہوئی اور رخت کھن آتار کھینکا۔ نیا پانکاب پن اختیار کیا۔ نئے انداز نئے آتار دکھائے۔ فرضی حسن و عشق کی جگہ وطن اور محبت وطن نے پائی۔ ہریش چندر کی شاعری میں جس خیر نے چار چاند لگائے وہ یہی جذبہ حب الوطنی تھی جس سے پرستار ان حکومت کی مخالفتوں نے اور بھی آگ لگادی۔

ہریش چندر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ عبدالرحیم خان خاناں۔ ملک محمد جالنسی اور کبیر کی طرح زبان کے ماہر نہیں۔ ان کے جذبات میں حشمت کی سی مستقل روانی نہیں۔ انھیں والمیک کی طرح مناظر قدرت کی تصویر کشی نہیں آتی۔ اس تنقید و تنقیص کے ہوتے ہوئے بھی ان کی شاعری اپنے رنگ میں یکتا ہے۔ ان کی حریت پسند طبیعت نے ہندی ادب کے سبزہ زاروں میں بیداری و آزادی کے بیج بوئے ہیں۔ قوم کی محبت میں دلنشیں لگنے لگائے جن کے اثر نے مقبولیت حاصل کی۔

جدید ہندی شاعری کے رجحانات | اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ
 ہندی زبان کا شاعر صرف
 مذہب کا پجاری یا کسی راج دربار کا غلام بن کر رہ جائے یا حسن و عشق
 کے کوپے میں کھوکھریں کھاتا پھرے۔ ضرورت ایجاد کی ماں کی جاتی
 ہے۔ عہد حاضر کی ضروریات عہد ماضی کی ضروریات سے بہت
 مختلف ہیں۔ جن کا اثر فطری طور سے طبائع پر ہونا لازمی ہے۔ آج
 کرشنال اور رامائی نظموں میں وہ مزے نہیں پیدا کئے جاسکتے جو قومی
 اور ملکی جذبات کو منظم کرنے میں خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ آج کسی
 راجہ مہاراجہ کی قصیدہ خوانی بدترین خوشامد سے زیادہ وقع نہیں۔
 لیکن وہ استعار جو ملک کے لئے قربانیاں دینے والے قید و بند اور
 سولیوں کی مصیبت سہنے کے لئے لکھے جائیں گے زیادہ قابل قدر
 اور با اثر ہوں گے۔ ہندوستان کی سیاسیات کا جو اثر ہندی شاعر نے
 قبول کیا ہے، وہی ہندی نظم نے بھی لیا ہے۔ اور جس طرح نثر آسان و
 سہل ہوئی اسی طرح نظم بھی عام فہم لکھی جاتی ہے۔ اس وقت ہندی
 شاعری کے خاص موضوعات جذبات قومیات اور اشتراکیات و تصوف
 ہیں۔ یہ بات بھی ظاہر کرنا ضروری ہے کہ تمام جدید شاعری کھڑی
 بولی میں ہے۔ کسی وقت میں خیال تھا کہ کھڑی بولی اپنی کشتی کی وجہ
 سے شاعری کے لئے غیر موزوں ہے لیکن جدید شعرا کا کلام دیکھنے
 سے گزشتہ شاعروں کا جو نظریہ کھڑی بولی کے متعلق تھا غلط ثابت

ہوتا جا رہا ہے۔ ہر شیخندروغیرہ نے اپنی قادر الکلامی سے کھڑی بولی کو نرم۔ شیریں۔ شستہ بنا کر شعر و شاعری کے لئے موزوں بنا دیا۔ جدید شعراء کے کلام کا بیسیاختہ پن اور ان کی تمام خوبیاں جو زبان سے تعلق رکھتی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرٹھ اور اس کے گرد و نواح میں بسنے والی ناقابل التفات بولی نے کہاں تک ترقی کی منزلیں طے کیں اور کس کس رنگ میں اپنی اداکاریاں دکھائیں۔

سطور بالا میں ہندی شاعری کے چند موضوعات دئے گئے ہیں۔ اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ان موضوعات پر کس کس نے طبع آزمائی کی۔ شعراء کے اختلاف موضوعات سے جو تقسیم عمل ہوئی وہ جدید ہندی زبان و ادب کے لئے فال نیک ہے۔

اس موضوع پر مندرجہ ذیل شعراء کی مشہور تصانیف

قومیات | درج کی جاتی ہیں: —

نام مصنف	تصنیف
بیمکی جی	سوران وہان
میٹھلی سرن گیت	بھارت بھارتی
سری دھر یا ٹھک	بھارت گیت
لامنریش ترپاکھی	"ملن"
	"سوپن"
	स्वप्न
	स्वर्ग बिहान
	भारत भारती
	भारत गीत
	पथिक "میٹھک" मिलन

جذباتی | مختلف اقسام کے جذبات کی خوبصورت نقاشیاں کرنے والے شعراء میں تحقیق خصوصیت حاصل ہے

وہ ہری بہاؤ اور یاد دھیا۔ سیار رام۔ شرن گیت اور گرد بھگت سنگھ ہیں۔
اثرات کم و بیش تمام عالم میں پہنچے۔ ہندوستان

میں بھی بہت سے لوگ اس سے متاثر ہوئے اور وقتاً فوقتاً اس موضوع پر مضامین حوالہ قلم ہوئے۔ بہت سی نظمیں بھی لکھی گئیں۔
جدید ہندی میں جن شعراء نے اپنی طبیعت کے جوہر اس موضوع پر دکھائے ان میں جگناتھ پرشاد بلند۔ ہری کرشن پریمی۔ نوین اور اُدے شکر بھٹ بہت کامیاب ہوئے ہیں۔

تصوف | عہد قدیم کی یادگار میں تصوف بھی ہے کیونکہ یہ رنگ بھگتی کال ہی میں چمک چکا تھا۔ لیکن ان میں اب وہ پُرانا دقیقاً اُسی رنگ نہیں ہے۔ قدیمی جذبات کو نہایت احتیاط سے نئے خیالات میں ڈھال کر جدت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس موضوع پر نظم لکھنے والوں میں سمتر انند پتھ۔ نرالا۔ رام کمار ورما۔ مہادیوی ورما۔ رام ناتھ سومن۔ راناشنکر ہرداس وغیرہم نے اچھی مہارت پیدا کی ہے۔ تصوف کے ساتھ ساتھ مندرجہ بالا شعراء نے دیگر موضوعات پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان کے علاوہ

اور بھی بہت سے شعراء ہیں جن کی شاعری کا مسلک مختلف ہے۔
 یہ بھی واضح رہے کہ ہندوستان میں جس طرح مسلک مختلف ہے
 زبانیں بھی مختلف ہیں۔ سنسکرت کے لپن سے تقریباً دو درجن زبانیں
 پیدا ہوئیں جن میں شاعری کو خوب بھولنے بھلنے کا موقع ملا۔
 یہاں تک کہ کھڑی بولی جسے کبھی شعراء ناپسند کرتے تھے اب
 وہ شاعری کی تک دو دو کے لئے اچھا خاصہ میدان تھی۔ اس میں
 کوئی شک نہیں کہ کھڑی بولی روکھی پھیلنے لگے تھی۔ اس
 کے کھڑے پن میں نہ کوئی جاذبیت تھی اور نہ کمرختگی میں نزاکت
 و لطافت۔ مگر باوجود ان خرابیوں کے جب ہندی شعراء نے
 اس کی طرف توجہ کی تو اس کی تمام خرابیاں رفتہ رفتہ دور ہو گئیں۔
 اور کڑوی کسلی زبان میں میٹھے میٹھے بول پیدا ہو گئے۔ جدید
 ہندی کو جن شعراء نے اپنی کوششوں سے سنوارا ہے ان میں
 سے چند شاعروں کا مختصر ذکر اور نمونہ کلام ذیل میں درج کیا
 جاتا ہے تاکہ ہمیں اس وقت کی شاعری کا اندازہ ہو جائے:-

اجودھیا سنگھ اُپادھیا | کھڑی بولی کے مشہور و معروف
 شاعروں میں بھارتیندو و ہر شچندر
 کے بعد اجودھیا سنگھ اُپادھیا کا نام عزت کے ساتھ لیا جاتا
 ہے۔ نئی ہندی کے میدان میں سب سے پہلا کارنامہ جو نظر آتا ہے
 وہ اُپادھیا جی کی پری پر داس ہے۔ اس میں کرشن کی زندگی کے

واقعات پر بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔
 بھگت کال کے شعرا نے رادھا اور کرشن کے حالات لکھنے میں
 اپنی طبیعتوں سے جو لہر شیں کی ہیں وہ ان کے یہاں نہیں
 ہیں۔ ان کے خیالات جس طرح پاکیزہ ہیں اسی طرح زبان بھی پاکیزہ
 ہے۔ مگر پر یا پر داس میں سنسکرت کے الفاظ بہت زیادہ استعمال
 کئے گئے ہیں۔

ان کی دوسری تصنیفات ”بول چال“ جو کھے چویدرے
 اور چھتے چویدرے میں بالکل اردو کی طرز پر لکھی ہوئی تصانیف
 سستھری اور بامجاورہ زبان ہے، ابھی حال میں آپ نے ”رس کلس“
 لکھی ہے۔ یہ کتاب برج بھاشا میں ہے۔ اس میں رت کال کی
 شاعری کا رنگ ہے۔

(مثال ملاحظہ ہو)

मुकुट था शिर का शिखि पुच्छ का,
 अति मनोहर मिडित माधुरी ।
 असित रत्न-समान सुरेजिता,
 सतत थी जिसकी वर चन्द्रिका ।
 (प्रिय प्रवास)

مکٹ تھا شکر کا شکمہ بچھ کا
 اتنی منوہر منڈت ماڈھری

ہست رتن سما لٹر نختا
 سنت تھی جس کی درخت در کا
 جس کا تاج مور کے پروں کا بنا ہوا کھا اور اس
 کے نشان نہایت خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔
 (از ”پریہ پرداس“)
 اچھو دھیا سنگھ اچھا دھیا۔

بوند گرتے دیکھ کر یوں مت کہو،
 آؤںخ تیری گڈگڈ یا لڈ گڈ !
 جو سمجھنے ہی نہیں تو چپ رہو،
 کیر کیری اس آؤںخ میں ہے پڈ گڈ !
 (چوہدوں سے)

بوند گرتے دیکھ کر یوں مت کہو
 آنکھ تیری گڑ گئی یا لڑ گئی
 جو سمجھتے ہو نہیں تو چپ رہو
 نکر کری اس آنکھ میں ہے پڑ گئی
 (از چویدے)

کھڑی بولی کے شعراء میں بہت مشہور ہیں۔
 ہندی شاعری کی ترقی کی کوشش میں

میتھلی سرنگیت

بہت کامیاب ہوئے۔ کلام تصوف آمیز ہونے کی وجہ سے بہت مقبول ہے۔ میتھلی سرن گیت کی تیسری تصنیف ”بھارت بھارتی“ بطور مسدس حالی بتائی جاتی ہے۔ اس نظم کے ذریعہ سے قوم کے نوجوانوں میں زندگی کے آثار جوش و خروش اور غیرت ملی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ فنی اعتبار سے زیادہ کامیاب نہیں۔ دوسری نظم ”چندر کھدیم“ ہے۔ اس میں درد و اثر کے ساتھ بہادری کا جذبہ ہے۔ تیسری نظم ”ہندو“ ہے۔ اس میں گیتا کی مشہور تعلیم دہرائی گئی ہے۔ چوتھی نظم ”بیچ وٹی“ یہ بہت اچھی نظم ہے۔ اس میں ٹھہن کی سیرت پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ ان تصانیف کے علاوہ تین نظمیں اور بھی قابل ذکر ہیں۔ ساکیت۔ دواپر۔ لیشودرا۔ ساکیت میں رام چندر کے مشہور واقعات نہایت عمدہ پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔ بعض مقامات پر سیرت نگاری سلیقہ سے کی گئی ہے۔ اس نظم کی ابتدا ذرا چست نہیں ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس میں تیزی پیدا ہو گئی۔ یہ تصنیف جدید ہندی شاعری میں ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ دواپر یہ اپنے رنگ میں ایک نئے ڈھنگ کی نظم ہے۔ اس میں کرشن کی داستان کے تمام افراد نے اپنی سرگزشت آپ سنائی ہے جس سے اثر پیدا ہو گیا ہے۔ لیشودرا یہ کام کا بیراگ اور لیشودرا کا حال سوز و گداز کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اگر اس نظم میں بیجا طوالت کے بدلے اختصار سے کام لیا گیا ہوتا تو یہ نظم اور بھی بہتر ہوتی۔

میتھلی سرنگیت کے متعلق نقادانہ طور پر یہ کہا گیا ہے کہ انھوں نے مہابیر پر شاد دودھ کی تقلید کر کے اپنی شاعری کو ترقی دی۔ لیکن اس تقلید نے ان کی زبان کسی قدر سنسکرت آمیز کر دی۔ تاہم جدید ہندی کی خدمت سے انکار کی گنجائش نہیں۔ (مثال)

अबला-जीवन हाथ ! तुम्हारे यही कहानो—०

आँचल में है दूध और आँखों में पानी ।

(यशोधरा से)

ابلا جیون ہائے ! اکھاری ہی کہانی

آنچل میں ہے دودھ اور آنکھوں میں پانی

(از "لشودھرا")

میتھلی شرن کر گیت۔

ललित प्रीवा-भंग दिखलाकर अहा !

उर्मिला ने लक्ष कर प्रिय को कहा -

“और भी तुमने किया कुछ है कभी,

यां कि सुगो ही पढ़ाये हैं अभी ?”

हार जाते पति कभी पत्नी कभी,

किंतु वे होते अधिक हर्षित तभी,

प्रेमियों का प्रेम गीतागीत है

हार में जिसमें परस्पर जीत है,

(साकेत से)

للت گر بوا بھنگ دکھلا کر آیا اور بھی تم نے کیا کچھ ہے کبھی
 اُر ملا نے لکشمہ کر پر یہ کوکھا یا کہ جسکے ہی بڑھائے ہیں ابھی
 کنتو دے ہوتے ادھک ہرشت ابھی ہار جاتے پت کبھی پتیں کبھی
 پریمیوں کا پریم گیتانیت ہے ہار میں جس میں پریم پر حبت ہے
 ("از ساقیت")

میتھلی شرن گیت۔

گیتانیت = ناقابل۔

گر بوا = گردن۔

پر سپر = باہم۔

سखे तुम जाओ हँसकर भूल,
 रहूँ मैं सुधकर के रोती ।
 तुम्हारे हँसने में हूँ फूल,
 हमारे रोने में मोती !
 (साकेत से)

سنگھے تم جاؤ ہنس کر بھول
 رہوں میں سدھ کر کے روتی
 تمھارے ہنسنے میں ہیں کھول
 ہمارے رونے میں ہیں موتی
 ("از" ساقیت")

ماکھن لال جیتریدی | آپ اخبار کرم ویر کے اڈیٹر ہیں۔ جو
 کھنڈروا سے نکلتا ہے۔ زمانہ موجودہ
 کے اچھے شعراء میں آپ کا شمار ہے۔ آپ کی شاعری قومی جذبات
 اور وحدانیت سے پُر ہوتی ہے اور تصوف کی جھلک پائی جاتی ہے۔
 گنگا جہنا کے سنگم کی طرح آپ کی شاعری میں حب الوطنی اور تصوف
 کے جذبات مدغم ہو گئے ہیں۔ الفاظ اور جذبات نہایت شیریں
 اور نازک ہوتے ہیں۔ آپ نے کافی تعداد میں نظمیں کہیں لیکن ہنوز
 کوئی مکمل دیوان یا مجموعہ شائع نہیں ہوا۔ (مثال)۔

بہمن کا پانیہارن آئی، دھارے اُمرت پیلانے،
 رٹی، دُخیت گئی، دےو ! توم تھے مہنر دیوانے؛
 آج شُکت کی ویر-سےج پر، سوچا کاٹوں راتیں،
 وہ آئی آشا کی ڈہری لےکر کرنے داتیں؛
 بےہمت جانا مہر جیون بلی ہو بھائی بھائی۔
 چلے چر کر منسویے آج کین چاروں کو تاروں۔
 (تہنگ پاش میں سے)

دیکھو کی بیہارن آئی دوارے اُمرت پیلانے
 روکھی دکھیت گئی دیو! تم تھے مجھ پر دیوانے
 آج شول کی ویر سیج پر سوچا کاٹوں راتیں
 وہ آئی آشا کی ڈہری لے کر کرنے گھاتیں

بند خدمت جانا میرے جیون یال ہو جہاں کی جہانگوں
 چلے چور کر منصوبے اب کن چر لوں کو تاکوں
 (از ترنگ سپاسمینی)
 لکھن لال جیتر ویدی

وہیکھو = جاہ و جلال۔

جے شنکر پرشاد | بنارس کے رہنے والے تھے۔ اوائل عمر
 ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ خانگی
 منصروفیتوں کے باوجود بھی آپ نے جو خدمت ادب ہندی کی وہ
 نہایت قابل قدر ہے۔ آپ نے ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔
 ایک اچھے شاعر ہونے کے علاوہ آپ ایک اچھے نثار اور ناول نگار
 بھی ہیں۔ تخیل کی بلندی۔ جذبات کی فراوانی۔ حسن و عشق۔ ہجس و غیرہ
 آپ کی شاعری کی جان ہیں۔ تصوف کی جھلک بھی کچھ پائی جاتی
 ہے۔ منجملہ دیگر نظموں کے آپ کی نظم ”آلسو“ ”لہر“ اور ”کامایینی“
 نہایت مشہور اور مقبول خاص و عام ہوئیں جن میں کامایینی واقعاتی
 (مثال)

آؤس سے بھیگے اچنل پر، من کا سب کھڑا رکھنا ہوگا ।
 تومکو اپنی ہیمت-رہا سے، یہ سندیپتر لیکھنا ہوگا ॥
 (کامایینی ۶ سہر سے)

آنسو سے بھیجے آنچل پرمن کا سب کچھ رکھنا ہوگا
 تم کو اپنی اسمت رکھنا ہے یہ سندھ پتر لکھنا ہوگا
 (ازکانائی)

جے شکر پرشاد۔

سندھ پتر صلحنامہ۔

اسمت - تبسم۔

رام نریش ترپاکھی | آپ فلیع جو نیور کے رہنے والے ہیں۔ آپ کی
 شاعری تصوف سے لبریز اور قومی جذبات
 سے پُر ہے۔ حق کی تلاش۔ انسانی ہمدردی۔ قومی خدمت آپ کا شعور
 ہے۔ گو آپ میں شاعری کے عنصر تمام و کمال موجود نہیں ہیں تاہم اپنی
 انتھک کوششوں سے زمانہ حال کے اچھے شعراء میں آپ کا شمار
 ہے۔ آپ کی مستور نظمیں ملن۔ بہتک اور سوین ہیں جو حب الوطنی کے جذبات
 و خیالات سے پُر ہیں جن میں سے بہتک زیادہ مقبول ہوئی۔ کیونکہ
 گاندھی جی کے نظریہ کی تائید کی گئی ہے۔ (مثال)

جانا نہیں چاہتا ہوں چھتر بھر کو کبھی میں جگ میں
 چلتا رہوں یہی اچھا ہے سدا پریم کے گم میں

یہ اچھا ہے ندی اور نالوں کا ولیش دھروں گا
گاتا ہوا گیت مستی سے پروت سے اتروں گا

(ازیتھاک)

رام نریش تر یا کھٹی

چھنٹر = لہ۔ مگ = راستہ۔ ولیش = بھیس۔

جگتا کھداس رتنا کر | برج بھاشا کے شاعروں میں رتنا کر کو خاص
مقبولیت حاصل ہے۔ ان کی نظم ہریش چندر

کی عام طور پر تعریف کی جاتی ہے۔ گنگا اترن بھی اچھی نظم ہے۔ اس میں
فطرت کی کلکار یوں کو سراہا گیا ہے۔ ان کے خیالات میں علم النفس کو بھی
دخل ہے اور ان کی زبان پیرما کر کی زبان سے ملتی ملتی ہے۔ آپ کی
ادھوشنگ نسا دگی سلاست اور ترنم کی اچھی مثال ہے۔

छोभ-छलक है गई प्रेम की पुलक अंग मैं ।

धहरनि के ढरि ढंग परे उछरति तरंग मैं ।

भयो बेग उद्वेग पैंग द्याली पर धरकी ।

हरहरान धुनि बिघटि सुरट उघटी हरहर की ।

(گंगा بتران سے)

ان اشعار میں برج بھاشا میں گنگا کی تیزی سے آنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

چھوب چھلاک ہوئے گئی پریم کی پلاک انگ میں

کھرن کے ڈھڑھنگا پرے اچھرت ترنگ میں

بھینو بیگ اُدو یک پیناگ چھاتی پردھر کی
 ہر ہر ان دھن وگٹ فرٹ اگھٹی ہر ہر کی
 (از گنگا رتن)
 (جگتا تھو داس رتنا کر)

پینڈت ناگھورام شرما | جدید ہندی زبان میں ان کی شاعری صاف
 ستھری اور سادگی کی وجہ سے دلکش ہوتی ہے۔
 سنسکرت کے ثقیل الفاظ استعمال کر کے زبان کو مشکل نہیں بناتے بلکہ اس
 سے بیکراسان بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انھیں اپنے اس ادبی طریقہ کار
 میں خاص ملکہ حاصل ہے۔ شاعر کی مقبولیت کا بہت بڑا راز زبان کی سلاست میں
 ہوتا ہے۔ جو لوگ زبان میں خواہ مخواہ شکوہ و جبروت پیدا کرنے کیلئے شاندار
 الفاظ استعمال کرتے ہیں وہ اکثر زبان کی پاکیزگی سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔
 شاعری میں لطف تو جب ہی ہے کہ سادے سادے لفظ اپنے محل پر اس طرح
 لائے جائیں جیسے نگینہ ڈاک پر رکھنے سے چمک اٹھتا ہے جن لوگوں نے زبان
 کی سادگی کو اپنا شیوہ بنالیا ہے ان کے خیالات کتنے ہی سطحی کیوں
 نہ ہوں کلام ان کا مقبول ضرور ہوتا ہے۔ ایسے شاعروں کی مثال
 قریب قریب ہر زبان میں ملے گی۔ پینڈت ناگھورام شرما سادہ اور
 مستہ زبان کے پرستار ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کی نظموں میں روان
 اور شعریت ہوتی ہے۔ (مثال)۔

ناثورام 'شکر'

گuru گौरव-हीन कुचाल चलें, मत-भेद प्रसाद प्रपंच रचे ।
 दिन रात मनोमुख मूढ़ लड़े चहुँ ओर घने घमसान मचें ।
 व्रत साधन के मिस पाप करें हठ छोड़ न हाय ! लबार लचें ।
 कवि शंकर मोह महासुर से विरले जन पाय विवेक वचें ।

(प्रशस्त पाठ)

گر گورو میں کچال چلیں مت کھید پر سار پر پنج رحیں
 دن رات منو مکھ موڑھ لڑیں چھوں اور گھنے گھمسان مجیں
 ورت سادھن کے ميس پاپ کریں ہٹ چھوڑاے لو رحیں
 کو شکر موہ مہاسر سے ورتے جن پائے یو پاک بجیں
 (از "پر شست پاکھ")
 ناکھورام شکر

دیوگی ہری | انھیں بھی برج بھاشا کے مشہور شعرا میں نمایاں جگہ دی جاتی۔ ان کے تخیل میں فلسفیانہ نزاکتیں پائی جاتی ہیں۔ مگر پیرانے شعرا کی طرح اکثر و بیشتر شجاعت کی تعریف کی ہے۔ انھوں نے ویرس کو برج بھاشا کے نئے پیمانوں میں ڈھالا ہے۔ اوائل عمر ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا۔ ابتدائی کلام پیرانے کھگتوں کے طرز پر ہے۔ آپ کی مشہور تصانیف پریم شتاک۔ پریم تہاک اور ویرست سئی وغیرہ ہیں۔ ویرست سئی میں ویرس کے دو پہے ہیں جو برج بھاشا کے لئے ایک نئی شے ہے۔ ان

دوہوں میں اکثر قدیم ہندی شعراء کے خیال کی ترجمانی کی گئی ہے۔ ویرس کے
 لیے دوہے کی بکڑنا کافی ہے۔ اس لئے یہ اس میں زیادہ کامیاب نہیں ہوئے۔
 اسی صنف پر انھیں ہندی سائنسیہ سیکلین سے بارہ سو روپیہ کا انعام عطا
 ہوا۔ (مثال)۔

आदर तो जीवत मरत दिन में बार हजार
 रान पखेरु वीर के उड़त एक ही बार ।
 (वीर सतसई)

کا دو تو جیوت مرت دن میں بار ہزار
 پران پکھیر ویر کے اڑت ایک ہی بار
 (ویرست سئی)
 دیوگی ہری

کا ور = یعنی بزدل۔

سست نرائن
 آپ کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ بی۔ اے تک
 انگریزی تعلیم بھی حاصل کی۔ سادگی پسند تھے۔ برج بھاشا
 پر آپ کو پورا عبور حاصل تھا۔ برج بھاشا کے علاوہ آپ نے کھڑی بولی میں
 شاعری کی ہے۔ آپ کی شاعری یاس و حرماں کی عیسیتی جاگتی تصور کیے جاتے ہیں۔
 قومی جذبات سے بھی متاثر نظر آتے ہیں۔ برج بھاشا میں قومی جذبات کا
 فقدان تھا۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قومی جذبات مکمل طور سے برج بھاشا
 میں داخل کیے۔ بعض ادیبوں کا خیال ہے کہ آپ برج بھاشا کے آخری شاعر
 ہیں۔ (مثال)۔

सत्यनारायण कविरत्न

भूमत ज्यों मतवारो मतंग,

सो प्रेम की बेलि को होय न चरो ।

ज्ञान को आँकुस मानत ना,

मनमोह कुपंथ सो ज्ञान न फेरो ।

सत्य जितै ही तितै चलि जाव है,

ठाक न ठाक कछू यह केरो ।

कै करुणा करि बाँह गहो,

कि कहो करुणानिधि नाम न मेरो ।

سو پریم کی بیل کو ہوئے نہ چیرد
من موہ کو نیت سوں جان نہ پھیرد
کھٹیاک نہ کھٹاک کھو یہ کرد
کو کر دنا ندھ نام نہ میرد
(از ست نرائن)

جھومت جیون متوار تنگ
گیان کو آنکس مانت نا
ست جتے ہی تیتے چل جات ہے
کے کر دنا کو با کھ گہو

کرونا = مہربانی۔

چیرد = شاگرد چلا۔

کرونا ندھ = مہربانی کا خزانہ۔

کو نیت = برابر استہ

ان کی شاعری کا مقصد اور موضوع عموماً قومی
اصلاح و ترقی سے وابستہ رہتا ہے۔ سماجی

پنڈت گیا پرشاد شکل سینھی

زندگی کو سدھارنے میں ان کی فکر سماج سے خراج تحسین یا لے کی مستحق ہے۔
سینھی کے کلام میں کہیں کہیں عشقیہ رنگ بھی پایا جاتا ہے جس میں ہلکی

ہلکی سی شانِ تغزل ہوتی ہے۔ ان کی زبان جدید ہندی ہے جو نہایت سلیس اور مستحکم ہے۔ پنڈت ناگھورام کی طرح یہ بھی سنسکرت کے ادق الفاظ سے بچتے ہیں اور لالہ کھلوان دین کی طرح جدید ہندی کو دلچسپ اور اپنے کلام کو عام فہم بنانے کے لئے اردو کی آئینہ نش سے کام لیتے ہیں بلکہ موقع موقع سے فارسی کے آسان اور زبان پر چڑھے ہوئے الفاظ بھی بہت خوبصورتی سے استعمال کر جاتے ہیں۔

پنڈت سینہی کا یہ حسنِ عمل کھڑی بولی کے لئے نہایت عمدہ اور دوسروں کے لئے قابلِ تقلید ہے۔

کھڑی بولی کو بنانے اور سنوارنے میں اردو کا آئینہ بہت کام دے گا۔

سنہی

नगपति सुत होके यों उदासी बनेगी,

यह खबर किसे थी देव ऐसा तनेगा ।

पल-पल भर में ही थी उसे देख लेती,

उस पर अपना मैं बार सर्वस्व देती ।

ترمت مُست ہو کے یوں اُداسی بنے گا یہ خبر کسے تھی دیو ایسا بنے گا

بیل پل بھر میں ہی تھی اُسے دیکھ لیتی اس پر ہی میں اپنا دار و سرورس دیتی

(از کوشلیا و لاپ)

گیا پر شا د شکلِ ستی ہی

نہایت = بادشاہ ۔ مُست = طرکا ۔ سرورس = سب کچھ ۔

گوپال سرن سنگھ

آپ کا وطن ریاست ریلواں ہے۔ ریاست کے
 دقل درجہ کے جاگیردار ہیں۔ شعر و سخن کا شوق
 اوائل عمر ہی سے تھا۔ پہلے برج بکھاشا میں شاعری کی اور اب کھڑی بولی
 کے مستند شعرا میں آپ کا شمار ہے۔ آپ قدیمت پسند ہیں۔ اس
 لئے خیالات قدما سے نہایت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ آپ نے اپنی ذہانت
 اور طباعی سے پُرانے خیالات کو نئے سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش
 کی ہے اور ایک حد تک کامیاب ہیں۔ آپ کی شاعری آسان۔ عام فہم۔
 شیریں اور جذبات سے پُر ہے۔ آپ کی شاعری باوجودیکہ کھڑی بولی میں ہے
 لیکن چونکہ پہلے مشق سخن برج بکھاشا میں جاری تھی اس لئے کچھ کچھ
 جھلک برج بکھاشا کی پائی جاتی ہے۔ اپنی شاعری میں زیادہ تر کوٹ
 اور سوٹیا بحر استعمال کرتے ہیں۔ (مثال)

میں نے کبھی سوچا وہ منجول مہک میں ہے،
 دیکھتا इसی سے उसे چاہ سے چکور ہے،
 کبھی یہ جانت ہوا، وہ جلال میں ہے
 ناچتا نیہار کے उसی کو منجمور ہے۔
 کبھی یہ ہوا انومان، وہ فطلمیں ہے،
 دوڑ کر لاتا بھڑک-بھڑک اس آور ہے۔
 کسسا اچر ج ہے، ن جان پایا میں نے کبھی
 میرے چیت میں ہی دھپا میرا چیت چور ہے۔
 گوپال شरण सिंह

مینے کبھی سوچا وہ منجل مینک میں ہے
 دیکھتا اسی سے اُسے جاؤ سے پکڑ ہے
 کبھی یہ گیات ہوا وہ جل دھڑ میں ہے
 تاجتاناہار کے اُسی کو منج مور ہے
 کبھی یہ ہوا اتان وہ پھول میں ہے
 دوڑ کر جاتا ہزنک ورنڈ اُس اور ہے
 کیسا اچرج ہے نہ جان پایا میں نے کبھی

میرے چت میں ہی چھپا میرا چت چور ہے
 (از گوپال سرن سنگھ)

جلدھر = بادل - منج = خوبصورت -

ہزنک ورنڈ = بہت سے کھوئے

مینک = چاند -

اتان = انداز -

गोपालशरण सिंह

ग्वलतो हैं चम्पक-कलियों

जलती हैं दीप शिखार्यें ।

कोमल गुलाब के दल पर

होती हैं प्रेम-कथार्यें ।

کھلتی ہیں چمپک کلیاں جلتی ہیں دیپ شکھائیں

کوئل گلاب کے دَل پر ہوتی ہیں بدیم نکھائیں

(از گوپال سرن سنگھ)

دیپ شکھا = چراغ کی نو دل = پتہ

چمپک = چھپا

گر بھگت سنگھ

آپ کا تخلص بھگت ہے۔ قدرتی مناظر کی تصویر کشی
آپ کے قلم کی خاص روش ہے۔ آپ کی مخصوص

تصنیفات ہیں:۔

کسٹم گنج۔ سرس مٹن۔ چٹلا اور نور جہاں بہت شہرت پذیر ہیں
اور تصنیفات مذکورہ میں نور جہاں کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل
ہے۔ اس کے فن شاعری کا انجام کمال اسی تصنیف سے ظاہر ہوتا ہے۔
زبان سہل اور عام فہم ہے۔ نور جہاں کے سبق آموز حالات زندگی لکھنے
میں کردار نویسی کی پوری پوری داد دی ہے۔

یکایک آ یا نخلستان

دھرتیوں ن پایا جلالان

خجور خدے تھ جیوں مستول

پتھک لکھ، گئے ہر ش سے کھول

پال سے پتے لہراتے

ہوا میں اڑتے دکھلاتے

ڈوبتوں نے پایا جلیان

پتھک لکھ گئے ہر ش سے کھول

ہوا میں اڑتے دکھلاتے

(از نور جہاں)

یکایک آ یا نخلستان

کھجور کھڑے تھے جوں مستول

پال سے پتے لہراتے

ہر ش = خوشی

جلیان = پانی کی سواری

پر ناری کے घर میں دھسنا، پتی کا خون دھانے ।
 फिर भी अपने को सलीम कह, आया मुँह दिखलाने ।
 रुको वहीं, उलटे पावों तुम कौरन वापिस जाओ ।
 होकर कौन, चले क्या करने, जरा शर्म तो खाओ ।
 (नूरजहाँ से)

پر ناری کے گھر میں گھسنا پت کا خون بہانے
 پھر بھی اپنے کو سلیم کہہ، آیا منہ دکھلانے
 روکو وہیں، اٹے پاؤں تم فوراً واپس جاؤ
 ہو کر کون، چلے کیا کرنے، ذرا شرم تو کھاؤ
 (راز نور جہاں)
 گور بھگت سنگھ

پہلے سنسکرت اور بنگلہ میں شعر کہتے تھے بعد میں ہندی ہی
 سے دلچسپی ہوئی اور اسی زبان میں شاعری کرنے لگے۔
 بچپن سے فلسفیانہ خیالات رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں
 فلسفہ بہت کافی پایا جاتا ہے۔

سنسکرت کے الفاظ استعمال کرنے کے باوجود بھی آپ کی زبان
 زیادہ مشکل نہیں ہے۔ قیود شاعری سے آزاد ہو کر ان کی شاعری ترجمہ آمیز
 ہے۔ حال کی طرح آپ نے بلینک درس کے قلم کی شاعری خوب کی
 ہے۔ (مثال)

दो दूक कलेजे करता पछतावा पथ पर आता ।
साथ दो बच्चे भी हैं सदा हाथ फैलाये,
बायें से बे मलते हुये पेट को चलते,
और दाहिना दया-दृष्टि पाने की ओर बढ़ाये ।
भूख से सूख ओठ जब जाते,
दाता—भाग्य विधाता से क्या पाते ?
घूँट आँसों के पी कर रह जाते,
चाद रहे जूठी पत्तल वे कभी सड़क पर खड़े हुये ।
और भपट लेने को उनसे कुत्ते भी हैं अड़े हुये ।
‘भिक्षुंशीर्षक कविता से

دو ٹوک کھینچے کے کرتا پھیلتا تا بہ تکم پر آتا
 سا کہ دو بچے بھی ہیں سدا کہ پھیلانے
 بائیں سے دے ملتے ہوئے پیٹ کو پھلتے
 اور داہنا دیا درشت پانے کی اور بڑھانے
 کھوک سے سو کہ ہونٹ جب جاتے
 داتا کھاگ ودھاتا سے کیا پائے
 گھونٹ آنسوؤں کے پی کر رہ جاتے
 چاٹ رہے جھوٹی پیل دے کبھی سرک پڑھتے ہوئے
 اور جھپٹ لینے کو ان سے کتے بھی ہیں اڑے ہوئے
 (کھلکھاک)
 (نرالا)

तुम शुद्ध सच्चिदानन्द ब्रह्म,

‘तुम और मैं’ कविता से

تم مردمانس کے بھاڑ اور میں منور بخشی کھیا شا
شم تندن ون گهن و شب اور میں سکھ سیتل سا کھا

تمہارا نثر اور میں کا

تم شدہ سید انند پرکاشم میں منور موہنی

مطلب = نعم دن کے شیریں جذبات اور میں شیریں دہن

تم اندر کے باغ سے درخت ہوا اور میں اس کی شاخیں

نہم اگر جان ہو تو میں جسک ہوں

اگر تم خدائی ہو تو میں خلیق کا جوہر

(تعمادریں)

دولت

سیارام سرنگپت | ان کے پاکیزہ جذبات میں قومی درد شامل ہے۔
 خاکستری دینی ہوئی آگ جب ہوا پانی ہے پھر بڑا
 مہشتی ہے۔ سماج زندگی کی دردناک لکھویرکشی میں انھیں لکڑہاصل ہے۔

ان کی اکثر نظم ٹڑپتے ہوئے دل کی آواز ہے جس کے لئے اثر لازمی ہے۔ قوی
اور تمدنی جذبات کو بہت بہتر نظم کیا ہے۔ (مثال)

سوی. رامشरण गुप्त

دंड भोग कर जब मैं छूटा,
पैर न उठते थे घर को।
पीछे ठेल रहा था कोई,
भय जर्जर तनु पंजर को।
पहले की-सी लेने मुझको
नहीं दौड़ कर आई वह।
उलभी हुई खेल में ही, हा।
अब की दी न दिखाई वह।

(एक फूल की चाह)

دند بھوگ کر جب میں چھوٹا	پیر نہ اٹھتے تھے گھر کو
پیچھے کھیل رہا تھا کوئی	بہتے جرجر تن پنجر کو
پہلے کی سی لے نے مجھ کو	نہیں دوڑ کر آئی وہ
اُٹھی ہوئی کھین میں ہی	اب کی دی نہ دکھائی وہ
دند = سزا	(ایک پھول کی چاہ)
دور جرجر تن پنجر = ڈر سے کمزور جسم	"از سیارام سرن گیت"

ان کا شمار دور جدید کے مشہور شعراء میں کیا جاتا
ہے۔ ان کے کلام کی شستگی سے معلوم

پندت سمرانند سیت

ہوتا ہے کہ اکھنوں نے زبان کو کہاں تک دھویا ہے۔ ان کے دو قافی شاہکار ”یلو“ گنجن بہت کامیاب ہیں تجلیل کی بلندی کے ساتھ ساتھ نزاکت و لطافت بھی کافی ہے۔ خیالات کی باریکی اور زبان کی سیرنگی کا توازن ان کے کلام کی خوبی ہے۔ ان دو شاہکار کے علاوہ اور بہت سی ایسی نظمیں ہیں جن میں فطرت کے مختلف مناظر کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ زبان نرم اور ترنم آمیز ہے۔ یہ کھڑی بولی کو سدھارنے میں بہت کامیاب ہوئے۔ (مثال)

ہاں ساخ ! آآو، بآہ سآل، ہم،
لگا کر ، گلے جڈالے پراہ !
فیر توم تم مے، مے پریتم مے،
ہو جاوے دوت آنترڈان !

ہاں سکھی آؤ بانہ کھول ہم سے
پھر تم تم میں میں میں
تم = اندھیرا
دورت = جلد
ہو جاوے دوت آنترڈان
آنترڈان = مدغم ہو جانا
لگ کر گلے جڑالیں پرانہ
ہو جاوے دوت آنترڈان
("از جہایا")

حیر جنم مرہا کو ہس ہس کر،
ہم آالینگن کرتی پل پل،
فیر فیر نیتل سے وٹ-وٹ کر،
فیر فیر وسمے ہو-ہو آوکل،
'لہروں کا گیت'

بخر ختم مرن کو ہنس ہنس کر ہم انگن کرتیں پل پل
 پھر پھر لاش تل سے اٹھ اٹھ کر پھر پھر اس میں ہو ہوا و جھل
 (لہروں کا گیت)
 بخر = قدیم لنگن کرنا = بیٹانا لاش تل = نیچے کی سطح

سو بھدر اماری جوہان | آپ کھنڈوا (سی۔ پی) کے رہنے والے
 بھگت گھیس سنگھ جوہان کی اہلیہ ہیں۔ ہندوستان
 میں جب حب الوطنی کی لہریں پیدا ہوئیں تو یہ بھی متاثر ہوئیں۔ آپ کی
 شاعری میں وطنی جوش و خروش اور پاکیزہ محبت کا حصہ بہت نمایاں ہے۔
 ان کی تصنیفات آسان ہوتی ہیں۔ زبان عام فہم ہے۔ جھالشی کی رانی،
 لکشمی بائی کی تعریف میں جو نظم لکھی وہ بہت مقبول ہوئی۔ کل اور تر دھارا
 آپ کی نظموں کے مجموعے ہیں۔ (مثال)

میں بچپن کو بولا رہی تھی، بول اٹھی چٹیا مہری۔
 نندن بن سی فूल اٹھی یہ بھڑکی سی چٹیا مہری۔
 'مائی آو' کہہ کر بولا رہی تھی، میٹھی کھا کر چائے پیتی تھی۔
 کھڑے ہاتھ میں، کھڑے لپٹے ہاتھ میں، منہ میں کھانے چائے پیتی تھی۔
 پایا میں نے بچپن میں سے، بچپن بڑھتی بڑھتی چلا گیا۔
 اُسکی منجول مورتی دیکھ کر، منہ میں نئے جیون چلا گیا۔
 میں بھی اُسکے ساتھ کھلتی، کھلتی ہوں۔ کھلتی ہوں۔
 مل کر اُسکے ساتھ کھلتی میں بھی کھلتی۔ کھلتی ہوں۔
 'میرا نیا بچپن' سے

میں بچپن کو بلا رہی تھی بول اٹھی بیٹیا میری
 ماں اد کہہ کر بلا کر بن سی بھول اٹھی بے چھوٹی سی لٹیا میری
 پائیا میں نے بچپن پھر بچپن بیٹی بن آیا
 اس کی بھولی مورت دیکھ کر مجھ میں تو جیون آیا
 میں بھی اس کے ساتھ کھیلتی ۔ کھاتی ہوں تلاتی ہوں
 مل کر اس کے ساتھ سوئیم میں تر بھی نہتی بن جاتی ہوں
 (میرا نیا بچپن)

تुकरा दो या प्यार करो

पूजा और पुजाया प्रभुवर, इसी पुजारिन को समझे ।
 दान दक्षिणा और निछावर इसी भिखारिन को समझे ।
 चरणों पर अर्पित है इसको, चाहो तो स्वीकार करो ।
 यह तो वस्तु तुम्हारी ही है, तुकरा दो या प्यार करो ।
 हृकुल से

پوچھا اور پچا یا پتر کھو در اسی کھسارن کو سمجھو
 دان دیکھنا اور نیچا در اسی کھسارن کو سمجھو
 چرنوں پر اربیت ہے اس کو چاہا ہو تو سوئی کار کرو
 یہ تو دستو کھاری ہی ہے ٹھکرادو یا سپیار کرو

ہما دیوی ورمایکم۔ اے | آپ یریاگ منور وریا بیٹھ کی یرنیل
 ہیں۔ آپ کے گیتوں میں تصوف کا
 رنگ غالب ہے۔ حجاز سے حقیقت کی طمانجانی ہیں۔ آپ کے قلم کی
 رفتار بہت کامیاب ہے۔ خیالات و جذبات، درد انگیز اور سرگم آئینہ ہوتے
 ہیں۔ مناظر قدرت کو الفاظ کا جامہ پہنائے ہیں آپ کو یہ طویل حاصل ہے۔
 جس کا بہترین نمونہ "ساندھیا گیت" میں ہے جو اپنا جواب آپ ہے۔ اس
 تصنیف کے علاوہ ان کے ہندی گیتوں کے مجموعے "یتھارا" "ششم" "نیرجا"
 وغیرہ ہیں۔ ہندی فن شاعری میں استادانہ کمال رکھتی ہیں۔ ان کو شاعری
 محترمہ کہا جائے تو بجا نہ ہوگا۔ عہد حاضرہ کی مشہور دلائق شاعرہ سکھدراماری
 چوہان کے بعد صنف نازک میں آپ کا نمبر اول ہے اور ہندی ادب کو انھیں
 سہستیوں پر ناز ہے۔ آپ کی مندرجہ ذیل نظم "برجیہ" یعنی تمہید کا انتخاب
 درج کیا جاتا ہے۔ جس میں اردو عروض کے مطابق مطلع بحر وزن و قافیہ
 سب موجود ہے اور سب کی پابندی کی گئی ہے:-

رজনیا آوڈے جاتی تھی، نفلنفل تاروں کی جالی۔
 उसके بیلرے بھمبھ پر جی روتی تھی زلیالی۔
 میری آہیں سوتی ہیں، ان آوٹوں کی آوٹوں میں۔
 میرا سب کچھ ڈیپا ہے، ان دیوانی چوٹوں میں۔
 چنتا کیا ہے نیرم! بھج جائے دیپک میرا۔
 ہاں جاسگا تیرا ہی، بڈا کا راجی آئیرا۔
 'میرا راجی' گیت سے

رجنی اوڑھے جاتی کھتی جھنڈ تاروں کی جالی
 اس کے بکھرے دے دھو پر جب روتی کھتی اُجیالی
 میری آپس سوئی ہیں ان اوکھٹوں کی اوٹوں میں
 میرا سر دھو چھپا ہے ان دیوانی چوٹوں میں
 جنتا کیا ہے ہے نرم کچھ جائے دیکھ میرا
 ہو جائے گا تیرا ہی پیرا کا راج اندھیرا
 دے دھو = جاہ و جلال
 سر دھو = سب کچھ
 نرم = بے رحم
 پیرا = ٹیس

کنور رام دھاری سنگھ دنگر | بہار کے رہنے والے نو عمر شاعر ہیں
 اور ماشاء اللہ ابھی سے ایت
 اچھے ہیلو نمایاں کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ اکھٹان اچھے
 ہوگی۔ آپ کی شاعری نہایت شیریں اور شستہ ہے۔ آپ کا اسلوب
 دیدہ زیب ہے اور طرز ادا نہایت دلکش ہے۔ ہندوستان کی فہم
 تہذیب کے دلدادہ ہیں اور ملک و قوم کی موجودہ اہمیت سے متاثر ہو کر
 خود بھی زد تے ہیں اور دوسروں کو بھی رلاتے ہیں۔ آپ کی نظموں کا مجموعہ
 ”رینوکا“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

سلیل کण ہوں کی پاراوار ہوں میں،
 स्वयं छाया स्वयं आधार हूँ मैं ।
 बँधा हूँ स्वप्न हूँ छोटा बना हूँ;
 नहीं तो व्योम का विस्तार हूँ मैं ।
 जलन हूँ, दर्द हूँ दिल की कसक हूँ,
 किसी का हाथ खोया प्यार हूँ ।
 गिरा हूँ भूमि पर नन्दन-विपिन से,
 अमर-तरु का सुमन सुकुमार हूँ मैं ।
 मुझे क्या गर्व हो अपनी विभाका,
 चिता का धूलि कण हूँ चार हूँ मैं ।
 पता मेरा तुझे मिट्टी कहेगा,
 समा जिसमें चुका सो बार हूँ मैं ।
 न देखे विश्व पर मुझको घृणा से ;
 मनुज हूँ सृष्टि का शृंगार हूँ मैं ।
 पुजारिन धूलि से मुझको उठाले ।
 तुम्हारे देवता का हार हूँ मैं ।

سلیل کن ہوں کہ پاراوار ہوں میں
 سویم چھایا سویم آدھار ہوں میں
 بندھا ہوں سوین ہوں چھوٹا بنا ہوں
 نہیں تو ویوم کا وکستار ہوں میں
 جان ہوں درد ہوں دل کی کسک ہوں
 کسی کا ہائے کھویا پیار ہوں میں

گرا ہوں بھوم پر تندن دین سے
 امر ٹرڈ کا سمن سکمار ہوں میں
 مجھے کیا کرو ہو اپنی دیکھ کا
 جتنا کا دھول کن ہوں چہار ہوں میں
 پتہ میرا تجھے مٹ کے گی
 سما جس میں چکا سو بار ہوں میں
 نہ دیکھے دستہ پر مجھ کو گھر ڈال سے
 منج ہوں سرسٹ کا سرنگار ہوں میں
 بجارن! دھول سے مجھ کو اٹھالے
 کتھارے دیوتا کا ہار ہوں میں

بچن | ان کا نام ہرینس رائے ہے۔ الہ آباد کے رہنے والے ہیں۔
 آپ کو ہندی کا عمر خیام کہا جاتا ہے۔ آپ ہندی میں ایک
 نئی قسم کی شاعری کے موجد ہیں جسے ”مدھوشالہ واڈ“ (مدھوشالا واڈ)
 (خمریات) کہتے ہیں۔ زبان نہایت سلیس اور شستہ ہے۔ خیالات اتنے
 گہرے نہیں ہوتے کہ سمجھنے میں دشواری ہو۔ جگر مراد آبادی اور ریاض خیر آبادی
 کی طرح ان کے یہاں بھی شراب اور ساقی کی کمی نہیں ہے۔ ان کی اس طرز
 سے اکثر لوگوں نے اختلاف بھی کیا مگر یہ اپنے رنگ کے بڑے پکے۔
 نہایت سچتہ ہیں۔ کلام چونکہ عام طور پر بہت دلچسپ ہوتا ہے۔ لہذا

نوجوانوں کا ایک بڑا طبقہ اگھیس بہت پسند کرتا ہے۔ ان کی مخصوص تصنیفات
 ”مدھ شالہ“ (مधुशाला) (معنی مے خانہ) ”مدھ ہالا“ (मधुशाला)
 (معنی ساقی) ”مدھ کلش“ (मधुकलश) (معنی خم) اور تیرا ہاڑ مشہور ہیں۔

سूर्य बने मधु का विक्रेता, सिन्धु बने घट जलहाला,
 बादल बन-बन आये साकी, भूमि बने मधुका प्याला।
 झड़ी लगाकर बरसे मदिरा, रिमझिमरिम्झिमरिम्झिम कर,
 बेलि विटप-वृण बन मैं पीऊँ, वर्षा ऋतु हो मधुशाला।

’مधوشالا سے‘

سور یہ بہنے مدھو کا وکرتیا، سندھ بنے گھٹ جل ہالا
 بادل بن بن آئے ساقی، کھوم بنے مدھ کا پیالا
 چھڑی لگا کر برسے مدرا، ریم جھم ریم جھم ریم جھم کر
 بیل و پیٹ ترنڑ بن میں پی لوں بر شارت ہو مدھ شالا

وکرتیا = بیچنے والا

سندھ = سمندر

گھٹ = خم

ہالا = شراب

ویٹ = پیڑ

ترنڑ = تینکا

مدھ شالا = میخانہ

موسلمانان آؤی ہلندھ ہئں دو، اءک مگر انکا پءالا،
 اءک مگر انکا مءلرالا، اءک مگر انکی ہالا،
 دونوں رءتے اءک ن ءب ءک، منءلر مءسءلء مں ءاے؛
 لءءاے ہئں منءلر مءسءلء مءل ءراے مءھشالا،
 (مءھشالا سے)

مسلمان اور ہندو ہیں، دو ایک گراں کا پیالا
 ایک گراں کا مذرالہ ایک گراں کی ہالا
 دونوں رہتے ایک نہ جب تک مندر مسجد میں جاتے
 لڑواتے ہیں مندر مسجد میل کراتی مدمشالا
 مذرالہ = شراب خانہ۔

ہندی کے ادبی دارے ناگری پر چارنی سمھاشی

ناگری پر چارنی سمھاشی ہندوستان کی ان چند جماعتوں میں ہے جن
 کالمک میں کافی نام ہے اور جس کو اہل ہنود نہایت عزت کی نگاہ سے
 دیکھتے ہیں۔ یہ سمھاشی کی ممتاز خدمت میں ہندوستان کی کسی ادبی
 جماعت یا انجمن سے کم نہیں۔ ہر صنف میں ہندی ادب کی تصنیف و

تالیف اور طباعت و اشاعت اس کا اوکھتر سالہ کارنامہ ہے۔ اپنی
 آنکھک کو شمشوں کے باعث اس نے ہندی زبان کی زبردست خدمت
 کی ہے اس وجہ سے سرکار دربار اور عوام میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی
 ہے۔ یہ انجمن کے کار برداران اور متعلقین کی محنت کا ثمرہ ہے کہ اس انجمن
 نے اتنی قلیل مدت میں اس قدر ترقی حاصل کی۔ ہندی ادب نے اُکھتر سال
 میں جو ترقی کی ہے گویا یہ اسی انجمن کی ترقی ہے۔ اب سے اُکھتر برس پہلے
 بھارت اندو یا بوسہ ریشچندر کے انتقال کے نو برس بعد اور کانگریس کے
 وجود کے پانچ سال بعد ۱۸ جولائی ۱۸۹۲ء کو یہ سمجھا وجود میں آئی۔ اس
 کی غرض ہندی زبان کی ترقی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ انگریزی داں
 حضرات ہندی پڑھنے سے ناک بھوں پڑھاتے تھے۔ چنانچہ ان
 حالات میں انگریزی اسکولوں اور دیسی مدرسوں میں ایسے اساتذہ کا
 قحط تھا جو ہندی زبان پڑھا سکتے یا اس کی ترقی کے لئے قدم پڑھا سکتے۔
 مگر یہ سمجھا اپنا کام کئے بغیر نہ رہی۔ اس کے سب سے پہلے معاونین بابو
 شام سندر داس بی۔ اے۔ پنڈت رام نرائن مصر اور کھارشیو کمار
 تھے جو ایک عزم مستقل لے کر ہندی کی امداد کے لئے اُکھٹ کھڑے
 ہوئے اور اپنی آنکھک کو شمشوں میں کامیاب ہونے لگے۔ ایسے لوگ
 جو دامنے درمے اس انجمن کی مدد کر سکے اس میں شامل ہونے سے گریزاں
 تھے۔ وہ بھی رفتہ رفتہ اراکین انجمن کی کوششوں سے انجمن کے قمبر
 ہوتے گئے۔ پنڈت امکادت ویاس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ زبردستی

ایک جلسہ میں بلائے گئے۔ بابو ہریش چندر کے برادر خورد بابو رادھا کرشن داس
 ۷ فروری ۱۸۹۳ء کو اس انجمن کے صدر مقرر ہوئے۔ سمجھا کے لئے
 ایک قیام گاہ اور روپیہ کی سخت ضرورت تھی۔ صدر موصوف نے نہایت
 جانفشانی سے اس ضرورت کو پورا کیا۔ بہت سی کتابیں بھی مہیا کیں۔
 یہ آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ ہندی کے زبردست ادیب رائے بہادر
 پنڈت لچھی شنکر مہرا، بابو اندر نرائن سنگھ جگن ناتھ رتناکر بابو رام کرشن
 ورما، پنڈت کشوری لال گوسوامی بابو کار تک پرستادھتیری، بابو
 دیو کی نندن کھتری، کٹھا کرگد ادھر سنگھ اس انجمن کے نمبر ہو گئے۔ اور
 اب یہ انجمن نہایت زوروں پر اپنے مقصد کی کامیابی کے لئے کامزن
 ہو گئی۔ سب سے پہلے جلسے سے صدر رائے بہادر پنڈت لچھی شنکر مہرا
 بنائے گئے اور بابو شیا م سندرداس سکریٹری مقرر ہوئے جو عرصہ تک
 اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ پہلے جلسے
 میں بہت سے ادبی مضامین پڑھے گئے جس میں بابو رادھا کرشن داس
 کا ناگرمی داس پر ایک مضمون تھا جس کی تحریف بنگال کی ایشیاٹک
 سوسائٹی میں بھی کی گئی۔

چونکہ اس سمجھا کے کارکنان کا مقصد اعلیٰ تھا جس کسی کام کے
 لئے قدم اٹھایا ان میں کامیابی ہی نظر آئی۔ بہت سے ایسے قلمی نسخے
 جو مخصوص حضرات کے قصے میں تھے انھیں اس انجمن نے نہایت
 کوشش سے حاصل کیا اور طبع کرایا تاکہ تمام ملک اس سے مستفید

ہو۔ بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی اٹریڈیشن و پنچاب کی حکومت سنسکرت کی کتابوں کی تلاش و حفاظت میں مشغول تھی لیکن اس انجمن نے قدیم ہندی کتابوں کے لئے اپنی خدمات صرف کیں۔

۱۸۹۹ء میں پنچانب سرکار مبلغ چار سو روپیہ قدیم ہندی کتابوں کی تلاش و طباعت کے لئے اس انجمن کو عطا ہوا۔ بابوشیام سندرداس کے سپرد یہ خدمت کی گئی جس کو انھوں نے ایسی خوبی سے انجام دیا کہ گریسٹ ڈاکٹر ہارنل، پروفیسر ورکھتہ ایسے مستشرقین نے بھی داد دی۔ تحقیقات کمیٹی کی رپورٹ اور حسن انتظام کی بناء پر دوسرے ہی سال سرکار نے امداد کی رقم میں ایک سو کا اضافہ کر دیا۔ چنانچہ ۱۹۱۶ء سے اس کی امدادی رقم ایک ہزار روپیہ سالانہ کر دی گئی اور اب ۱۹۲۲ء سے اس انجمن کو صوبہ کی گورنمنٹ دو ہزار سالانہ دیتی ہے۔ اس اگھتر سال کے زمانے میں سینکڑوں معدوم کتابیں اور ایسے شعراء کے کلام جو اب تک گوشہ گمنامی میں پڑے تھے اول روشنی میں لائے گئے۔ اس تلاش و جستجو کی تمام تر ذمہ داری بابوشیام سندرداس اور پنڈت شیام بہاری مصر کے سر رکھی۔ اب یہ جستجو بابو میرالال کی سرپرستی میں جاری ہے۔ اس شعبے کے کارنامے کتابی صورت میں پیش کر دئے گئے ہیں۔ اس سبھا کے قیام کے وقت فارسی خط عدالتی رسم الخط تھا۔ اس سبھا کی کوشش سے سمن اور نولش وغیرہ اردو اور ہندی خط میں لکھے جانے لگے۔ اس انجمن کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ ۱۸۹۹ء

میں جب حضور گورنر بہادر بنارس تشریف لائے تو ایڈریس کے سلسلے میں عدالتی دفتروں اور ہندی زبان کا مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا گیا جس کے جواب میں اس تجویز پر غور کرنے کا وعدہ فرمایا۔ اس مقصد کو کامیاب کرنے کے لئے عام رائیں طلب کی گئیں۔ چنانچہ ہزار ہا آدمیوں کے دستخط سے ایک محضر تیار کرایا گیا اور صوبہ کے مختلف نمایندوں میں بھیج کر قریب ساٹھ ہزار دستخط کرائے گئے اور بذریعہ ہمارے جی پرتاب نرائن سنگھ راجہ اجودھیا سرانٹونی میکڈانلڈ کے روپر ۲ مارچ ۱۸۹۸ء کو یہ محضر نامہ پیش کیا گیا۔ ملک کی رائے جمع کرنے میں بالوشیام ستدر داس اور بابو کرشن بلدیو اور ما وغیرہم نے مختلف اضلاع مثلاً لکھنؤ، پریاگ، کاشی، علی گڑھ، ممبئی، مراد آباد، بریلی، شاہجہاں پور، سہارنپور، آگرہ کا دورہ کرتے ہوئے ہر مقام پر ناگری سمجھا کی شاخیں قائم کیں۔ اس کوشش میں کہ ہندی زبان بھی عدالتی زبان قرار دی جائے، ہر امکانی کوشش کی گئی اور جب حضور گورنر بہادر کاشی تشریف لائے تو انجمن کا ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا جس کے معروضات پر اُمید افزا جواب ملا اور آخر کار گورنمنٹ کی طرف سے ۸ اپریل سن ۱۹۰۱ء کو یہ حکم جاری ہوا کہ عدالتی کاغذات ہر دو زبان میں جاری ہوں اور جو شخص چاہے وہ اپنی عرضی ناگری رسم الخط میں بھی دے سکتا ہے۔

اس سمجھانے انگریزی اسکولوں میں ہندی زبان کی کتابیں داخل

کرا نے کی بابت بھی کافی کوشش کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرگباش باجو
 اندر ٹرائن سنگھ ٹکسٹ بک کمیٹی کے ممبر ہو گئے۔ اس کامیابی کے بعد
 ”بھاشا پتر بودھ“ ”بھاشا سار سنگھ“ اور ”کھیتی و دیا کی ہلی لیتک“
 مرتب کر کے درسی کتابوں میں شامل کی گئی۔ سمجھانے اس امر کی بھی کوشش
 کی کہ ہندی زبان درست ہو جائے اور طرز ادا مناسب ہو لیکن
 اس میں زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ محکمہ تعلیم نے جس وقت یہ حکم جاری
 کیا کہ ہر طالب العلم کے لئے آٹھویں درجہ تک ہندی اردو دونوں
 زبانوں کا جانتنا ضروری ہے تو سمجھانے اس حکم کی سختی سے مخالفت
 کی اور اس سلسلے میں ایک وفد گورنر صاحب بہادر کی خدمت میں بھیجا
 مگر لا حاصل رہا۔ صاحب گورنر بہادر نے اس رائے سے تو اتفاق کیا
 کہ لڑکوں کو بہت سی زبانیں نہ سکھائی جائیں مگر چونکہ اردو ہندی
 کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس لئے ان دونوں زبانوں کا جاننا
 ضروری قرار دیا ہے۔

حکومت ہائی کورٹ کے جج سرگباش بابو شارداچرن مصر نے اس
 امر کی کوشش کی تھی کہ اپنی تصانیف ناگری خط میں لکھی جائیں
 سمجھانے بھی ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کافی کوشش
 کی تھی اور اس مقصد کے لئے صوبہ پنجاب اور بمبئی کو فوراً روانہ کئے
 جہاں انھیں کامیابی حاصل ہوئی۔ ہندوستان کے یونیٹیکل لیڈر
 لوکمانیہ نامک مصر کو کھلے اور پردیس پر پراچ پی نے بھی سمجھانے کے

اس مقصد سے اتفاق کیا۔

۱۹۰۵ء میں جب کہ کانگریس کا اجلاس بتارس میں منعقد

ہوا۔ اس سمجھانے ہندوستان کے مختلف صوبوں سے نمائندے
یلاکر ایک کانفرنس منعقد کی جس کا مقصد یہ تھا کہ تمام ہندوستان
میں دیوناگری قومی زبان تسلیم کر لی جائے۔ اس کانفرنس کے صدر
مسٹر آر۔سی۔ رت کھتے اور لوکمانیہ تلمک پروفیسر وجے رکھوا چاری
پروفیسر رانا ڈے دیوان بہادر رام لال ساگر لال ڈی سانی وغیرہ
مشاہیر نے یہ متفقہ تجویز پاس کی تھی کہ دیوناگری رسم الخط ہی تمام
ہندوستان کا رسم الخط ہونا چاہئے۔ سررشتہ تعلیم ہندی کی طرف سے
یہ حکم تھا کہ صوبہ کی درسی کتابیں صوبہ کی زبان میں ہوں۔ سمجھانے اس
حکم کی سختی سے مخالفت کی جس میں اُسے کامیابی ہوئی۔

اس سمجھانے ایک اور کام کیا کہ سررشتہ تعلیم سے ایسے ادیبوں
کو انعام دلوائے جو ہندی کے اچھے ادیب تھے۔ ان انعامات کا
سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ۱۸۹۶ء میں جو مشرقی ادب کی ایک
کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں سمجھا کی جانب سے بالوشیم سندر داس
بحیثیت نمائندہ شریک ہوئے تھے اور انھوں نے ایک مختصر تاریخ
ہندی بھاشا اور ساہتیہ لکھ کر کانفرنس میں پیش کی جس کا یہ نتیجہ
ہوا کہ بہت سے متشرقین کا خیال ہندی زبان اور ادب کے مطالعہ
کی طرف رجوع ہو گیا۔

ہندی تحریک و توسیع کے علاوہ تصنیف و تالیف اور قدیم و
 نایاب کتابوں کی تلاش و جستجو کی طرف بھی اس سمجھانے کا کافی توجہ کی۔
 یہ کھتی راج راسوالیسی نادر کتاب جو مودوم ہوتی جا رہی تھی از سر نو
 طبع کرائی اور ہندوستان کے مشہور ادیبوں سے اس پر مشرعیں
 لکھوائی ہیں۔ اس کے علاوہ اس سمجھانے خود بھی انعامات اور تمغے
 عطا کر کے اچھے اچھے ادیبوں سے کتابیں لکھوائیں جن کی تعداد سو
 سے زیادہ ہے۔ مصنفین کے علاوہ اس سمجھانے ادیب بھی تیار
 کئے۔ ہندی ادب میں کوئی عمدہ قواعد صرف و نحو کا نہ ہونا ایک بدنام
 داغ تھا۔ چنانچہ ایسی کتاب کو ترتیب دینے کے لئے اس نے
 انعام کا اعلان کیا اور کافی غور و خوض کے بعد یہ کام پنڈت کامتا پرشاد
 کے سپرد ہوا۔ موصوف نے آٹھ سال کی محنت میں ایک قواعد صرف و نحو
 تیار کی جو زبان دانوں کی ایک مجلس کے سامنے پیش ہو کر منظور
 ہوئی اور طالب علموں کی استعداد کے مطابق دو حصوں میں
 شائع ہوئی۔

ہندی ادب میں اصطلاحات علمیہ بالکل نہ تھیں۔ اس لئے دوری
 زبانوں کے ادبی کتابوں کے ترجمے یا دیگر علوم کی کتابیں لکھنے میں
 جو کسی فن سے تعلق رکھتی تھیں بڑی دشواری پیش آتی تھی۔ سمجھانے
 ایک کتاب فن اصطلاحات کی ترتیب دی۔ یہ کام پنڈت مہا پرشاد
 دویدی، پنڈت مادھوراؤ، مہا موہا یادھیا، پنڈت سدھا کر دویدی

اور یا پو شام سندر داس کی کوششوں سے انجام کو پہنچا اور اس طرح سے اس سمجھانے ہندی ادب کی ایک بڑی کمی پوری کر دی۔

سمجھانے ایک ادبی رسالہ ناگری پر چارنی پتر کا بھی جاری کیا۔ جس کا مقصد ادبی تعلیم کا عام کرنا تھا۔ یہ رسالہ ۱۸۹۷ء سے اب تک جاری ہے۔ پہلے یہ سہ ماہی تھا۔ اس کے بعد ماہانہ ہوا مگر اب پھر سہ ماہی ہو گیا۔ یہ رسالہ ایشیا ٹاک سوسائٹی کے رسالوں کی طرح ہے۔ ادیبوں میں اس کی بڑی قدر ہے۔ کیونکہ رسالہ کا معیار بہت بلند ہے۔ اس میں نہایت قابل ادیبوں اور مصنفوں کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔

الفاظ کی تراش خراش اور چھان بین کا کام سمجھا کا اہل مقصد ہے۔ جو ۱۹۰۸ء سے شروع ہوا ہے۔ اس مقصد کے حصول میں کافی کوشش کرنے کے بعد ایک مکمل لغت ترتیب دیا گیا جو نہایت مستند ہے۔ اس مقصد کے حصول میں سمجھا کو قدر دانا یان علم نے دامے درمے کافی امداد پہنچائی اور سنٹرل گورنمنٹ سے پانچ ہزار اور صوبہ کی سرکار سے تین ہزار روپیہ کی امداد ملی۔ اس کے علاوہ ریاستہائے اندو کشمیر۔ بڑودہ۔ بیکانیر۔ بھاؤنگر۔ جھڑ پور وغیرہ نے بھی کافی اعانت کی۔

سمجھا کی سرپرستی میں ایک اور رسالہ سرسوتی بھی جاری کیا گیا جو ہندوستان کے دیگر رسالوں میں نہایت موقر ہے اور اب تک

جاری ہے اور اس کے ذریعہ سے یہ سمجھا اب بھی ہندی ادب کی توسیع اور اشاعت میں کافی حصہ لے رہی ہے۔

ہندی سائنس سمیلن پریاگ کی شروعات کا سبب بھی یہی سمجھا ہوئی تھی۔ اس سمجھا کا پہلا اجلاس تصدیرت پنڈت مدن موہن مالوی ناگری پر چارنی سمجھا کے زیر انتظام منعقد ہوا تھا۔ ان تمام واقعات سے اہل ادب پر یہ بات بخوبی روشن ہو جائے گی کہ اس سمجھا نے ہندی ادب کی بقا و قیام اور توسیع و اشاعت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

ہندوستان جیسے ملک میں جہاں ہمیشہ روپیہ کا کال رہا کرتا ہے اور خصوصاً ادبی ضروریات کے لئے یہ قحط اور زیادہ ہو جاتا ہے لیکن یہ سمجھا مستحق تہنیت ہے کہ اس نے جب کبھی روپیہ کے لئے اپیل کی تو اہل ملک نے نہایت فراخ دلی سے امداد کی جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کو اس سمجھا پر کافی اطمینان تھا اور اب بھی ہے۔

کسی سمجھا کے قیام اور بقا کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی ذاتی عمارت اور ایسا سرمایہ ہو۔ اس سمجھا کی ذاتی عمارت نہایت عمارت کاشی کے پوربی گوشے میں ہے جو سن ۱۹۰۲ء میں یایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس عمارت کا سنگ بنیاد مہاراجہ بنارس نے سن ۱۹۰۲ء میں اپنے دست مبارک سے رکھا اور یو۔ پی کے گورنر سر جمیس لاٹوش نے فروری سن ۱۹۰۲ء میں اس کا افتتاح کیا۔ زمین کی خریداری اور تعمیر عمارت میں تینتیس ہزار پانچ سو دس روپیہ خرچ ہوئے۔ اس سمجھا کا ایک

ذاتی کتب خانہ بھی ہے جو ہندوستان میں ہندی کتابوں کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔ اس کتب خانہ کا نام ”آریہ بھاشا لیسٹیکالے“ ہے۔
 اوّل اوّل سمجھانے ایک چھوٹا سا کتب خانہ قائم کیا کتھا حیر کا نام ”ناگری بھنڈار لیسٹیکالے“ تھا۔ اس وقت اس کا ذخیرہ قلیل تھا۔
 ۱۸۹۸ء میں سرگباش گیا دھرم سنگھ اور پنڈت مہا بھر پرشاد دودیدی نے اپنا اپنا کتب خانہ جس میں بہت سی نادر و نایاب کتابیں تھیں۔ اس سمجھا کو عطا کر دیا جس سے اس مختصر کتب خانے کا علمی ذخیرہ بہت بڑھ گیا۔

قریب قریب ہر صوبہ میں اس سمجھا کے ممبروں کی اچھی خاصی تعداد موجود رہتی ہے اور اب تک ممبر بننے اور بنانے کا سلسلہ جاری ہے۔ یورپ میں بھی اس سمجھا کے کچھ ممبر ہیں جو اکثر اپنے گرانقدر آراء سے سمجھا کی اعانت کرتے اور حوصلہ افزائی فرماتے رہتے ہیں۔ ہندوستان کے بہت سے راجگان بھی اس سمجھا کے رکن ہیں۔
 مالی طور پر بھی سمجھا کی حالت بہتر ہے۔ اسے بعض بعض ایسے ایسے عطیے ملتے ہیں جن کے سود سے مستند ادیبوں کی قدر دانی اور حوصلہ افزائی کر کے ہندی ادب میں قابل قدر کتابیں لکھوائی جاتی ہیں۔ رویہ کی فراہمی میں پنڈت چندر دھرم شرما گلیری کا نام بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا جن کے انتقال سے سمجھا کو سخت نقصان پہنچا۔

حقیقت یہ ہے کہ سمجھا نے ہندی ادب کی توسیع و تحفظ میں وہ کام کئے ہیں جو سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ہندی ادب کے سلسلہ میں اس سمجھا کے کارنامے کبھی کھلائے نہیں جاسکتے۔

۲۔ ہندی سماجیہ سیمین بریاگ

اوراق پیشین میں اس ادارے کا حوالہ دیا جا چکا ہے کہ اس سمجھا کا وجود پہلے پہل ناگری پر چارٹی سمجھا کے زیر اہتمام بنارس میں سال ۱۹۱۶ء میں ہو چکا تھا جب کہ پریشوتم داس ٹنڈن اس سمجھا کے معتد تھے۔ اس سمجھا کا دفتر بنارس سے بریاگ منتقل ہو گیا۔ گوکہ اس کی ابتدا بنارس میں ہو چکی تھی لیکن اس سمجھا نے عملی صورت پر بریاگ منتقل ہونے کے بعد اختیار کی۔ کارکنان کے خلوص کی وجہ سے اس سمجھا نے اُمید سے زیادہ ترقی کی۔ اس سمجھا کے سالانہ جلسے مختلف مقامات پر ہوا کرتے ہیں جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ ان جلسوں کی صدارت ہندوستان کی عظیم الشان ہستیوں کے سپرد رہی مثلاً مہاتما گاندھی۔ پنڈت مہاتما جی۔ مہاوی۔ سوامی شرمدھانتر۔ پریشوتم داس ٹنڈن۔ اچودھیا سنگھ اویادھیا۔ راجہ پڑودہ وغیرہ۔ اس سمجھا کے مقاصد ہندی ادب کی توسیع اور اشاعت اور تادرو و تابیاب قدیمی کتابوں کو از سر نو زندگی بخشنا اور ان کو جمع کرنا ہے اس کے علاوہ ناگری رسم الخط میں ایسا رد و بدل کرنا کہ جس سے وہ

بآسانی چھاپے کے کام میں آسکے یہ بھی سمجھا کا ایک خاص مقصد ہے۔

۱۹۱۰ء میں جن حضرات نے ناگری پر جاری سمجھا کے آغوش میں اس ادارے کو جنم دیتے ہوئے دیکھا ہوگا ان کو یہ گمان بھی نہ ہوگا کہ یہ ادارہ اپنی تیس سالہ عمر میں ہندی کے ذریعہ سے شمالی اور جنوبی ہند کو متحد کر دے گا۔ اس کی ترقی کی یہ تیز رفتاری شرکار کے خلوص کا بین ثبوت ہے۔ ان کارکنان ادارہ میں بابو پرشوتم داس سٹنڈن کا نام نامی جلی حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ آپ اس ادارہ کے کام میں اس قدر منہمک رہے کہ اسے اپنی زندگی کا جزو سمجھتے تھے۔

یہ ادارہ پہلے پہل ایک قلیل سرمایہ سے شروع کیا گیا اور ظاہر ہے کہ اپنی کم مائیگی کی وجہ سے وہ عظیم کام جو اسے کرنا تھے اس کے بس کی بات نہ تھی۔ چنانچہ ۱۹۱۵ء میں جب کہ اس کا اجلاس زیر صدارت مہاتما گاندھی اندور میں منعقد ہوا تو مہاراجہ اندور سیٹھ حکم چند نے دس دس ہزار کی رقم کے عطیے ہندی ادب کی توسیع اور اشاعت کے لئے عطا فرمائے۔ اس مال امداد نے ادارے کو ہر طرف ترقی کرنے کا موقع دیا۔ چنانچہ مہاتما گاندھی کے اشارہ سے جنوبی ہند میں بھی ہندی ادب کی اشاعت کی گئی۔ سیٹھ جمنالال بجراج نے اس مقصد کی کامیابی کے لئے کافی کوشش فرمائی۔

سمیلن کاچوبیسواں اجلاس پھر اندور میں ہوا، اس اجلاس میں اس سمجھا کے دو خاص مقصد قرار دئے گئے جن کا اثر نہ صرف ہندی

ادب پر ہی ہوا بلکہ ملک کا تمدن بھی متاثر ہوا۔ وہ مقاصد یہ تھے :-
 (۱) ناگری رسم الخط کی ایسی ترتیب اور رد و بدل کہ اس کا ٹائپ
 تیار ہو سکے۔

(۲) مختلف صوبوں کے ادباء سے متحد الحیال ہو کر ہندی ادب

کی توسیع۔
 ہر دو مقاصد کے لئے کمیٹیاں ترتیب دی گئیں۔ پہلے مقصد کی
 کمیٹی کے صدر کا کالیکر تھے اور دوسرے مقصد کی کمیٹی کے مہتمم
 کنھیا لال منشی مقرر ہوئے۔

پہلے مقصد کے لئے مختلف زبانوں کے رسم الخط کے مقابلہ کے
 بعد چند تجاویز ٹائپ کے متعلق پیش کی گئیں۔ مثلاً :-
 (۱) اوپر کی لکیر کو حذف کر دیا جائے۔

(۲) دھما اور گھا کی ترکیب ॥ ॥

(۳) یا اور را کی آمیزش ॥ ॥

(۴) آ کی مختلف صورتیں وغیرہ ॥ ॥

یہ تجاویز غور و خوض کے بعد تسلیم کی گئیں اور اس پر عمل بھی ہوا مگر
 مخالفتوں کی وجہ سے عرصہ تک قائم نہ رہ سکیں۔

دوسرے مقصد کے لئے کنھیا لال منشی نے سمجھا کے آئندہ سالانہ
 اجلاس میں ہندوستان کے ادما کی ایک کانفرنس منعقد کی۔ اس کانفرنس
 میں ہندی ادب کی آئندہ ترقیات کا ایک خاکہ تیار کیا گیا اور نہایت

گر محوشی کے ساتھ کام شروع کیا گیا۔ اسی موقع پر قواعد تذکر و تمانیث و دیگر قواعد کے متعلقات پر غور کرنے کے لئے بھی ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جس کے مہتمم بابو پرستوتم داس ٹنڈن مقرر ہوئے۔

اپنے مقاصد کی آسانی کے لئے سمجھانے تقسیم کار کے اصول پر اپنے کام کو مندرجہ ذیل شعبوں میں منقسم کر دیا:۔

(۱) ہندی ادب کی توسیع۔

(۲) امتحانات کے ذریعہ سے ہندی کو عوام میں پھیلانا۔

(۳) خالص ادبی خدمت اور ہندی کتابوں کی اشاعت۔

(۴) ذرائع قیام سمجھا۔

(۵) یادگار قائم کرنا۔

(۶) انتظامات سمجھا۔

ناگیور کے اجلاس کی ایک تجویز کے مطابق ہندی کی توسیع کے لئے ایک کمیٹی "راشٹر بھاشا پرچار سمیت" قائم ہوئی جس کا مرکز وار دھا رکھا گیا۔ اس کمیٹی نے اس قلیل مدت میں نہایت اہم امور انجام دئے اور آسام، بنگال، آکل، سندھ، گجرات، بھٹی، مہاراشٹر وغیرہ میں صوبہ دارانہ کمیٹیاں قائم کیں تاکہ کام میں سہولت ہو اور یہ کام منظم ہو جائے۔ بنگال اور آکل میں یہ کام کلکتہ کی "یور و بھارتیہ راشٹر بھاشا پرچار سمیت" کے زیر نگرانی جاری ہے۔

راشٹر بھاشا پرچار سمیت وار دھا کی طرف سے توسیع کے

متعلق امتحانات بھی رائج ہیں اور کتابیں بھی شائع ہوتی ہیں۔ اس ادارہ میں اساتذہ کو توسیع کے کام کے لئے تیار کیا جاتا ہے اور اس کی تعلیم علیحدہ دی جاتی ہے۔

شعبہ امتحانات میں پرکھتا۔ دھما اور اتما کے امتحانات قائم ہیں۔ یہ ادبی امتحان ہیں ان کے علاوہ مینی۔ عراقی نو لسی۔ مختصر نو لسی۔ طائپ۔ صحافت۔ زراعت اور حکمت کے امتحانات بھی ہر سال ہوتے رہتے ہیں۔ ان امتحانات کے مرکز قریب قریب ہر صوبہ میں کافی تعداد میں موجود ہیں۔

ادبی خدمت کے سلسلہ میں اس سمجھا کی زیر نگرانی بہت سی نادر و نایاب کتابیں تیار ہوئیں۔ امتحانات کے نصاب کی کتابیں بھی اسی شعبے سے شائع ہوتی ہیں۔ ہمارا جہ بڑودہ نے مبلغ پانچ ہزار روپیہ توسیع اور اشاعت کے لئے عطا فرمایا تھا۔

۱۹۲۸ء میں جس سال اس سمجھا کا اجلاس مظفر نگر میں منعقد ہوا انعام موسومہ ”منگلایہ شادیار تو شک“ بارہ سو روپیہ کا دیو کی ہری کو عطا ہوا جنھوں نے انعام کی تمام رقم ستمیلین کو عطا فرمائی کہ وہ کسی کار خیر میں صرف کی جائے۔ جینا جی وہ رقم پر شوکم داس سندن۔ پنڈت پدم سنگھ شرما اور ڈاکٹر کھگوانداس کی رائے سے بچوں کے لئے اچھی اچھی کتابوں کی اشاعت میں صرف ہو رہی ہے۔ ہمارا جہ صاحب اور چھپا کی جانب سے ایک ہزار روپیہ سال کا

ایک ادبی انعام موسومہ ”دیوید سکار“ بہترین نظم لکھنے والے کو عطا ہوا کرتا تھا۔ چونکہ دو سال تک کوئی ایسی نظم پیش نہ ہوئی جو میاں یزوری اُترتی اس لئے وہ دو ہزار کی رقم ناگزی پر چارنی سمجھا اور اس ادارے کو بھتہ مساوی عطا ہوئی جو شعبہ اشاعت میں صرف ہوئی۔
اس ادارے کے ذرائع آمدنی مندرجہ ذیل ہیں:-

- (۱) فیس امتحانات۔ (۲) عطیات۔ (۳) چندہ ممبران۔
 - (۴) دیگر عیدے۔ (۵) فروخت کتب وغیرہ۔
- مالی حالت بہت اچھی ہے۔ کیونکہ تقریباً پچاس ہزار روپیہ بینک میں جمع ہے اور قریب پندرہ ہزار روپیہ کتابوں کی تجارت میں لگا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ جائیداد منقولہ وغیرہ منقولہ قیمتی تقریباً اتنی ہزار اس ادارہ کی ملکیت ہیں۔ یہ ادارہ اپنی ذاتی عمارت میں قائم ہے جس سے ملحق ایک سنگرالہ (کتب خانہ) ہے۔ کتب خانہ میں کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ انڈکس کا طریقہ بالکل جدید ہے۔ کتابوں کے بہت قدیم نسخے جو اب نایاب ہو چکے ہیں۔ اس کتب خانہ میں موجود ہیں اور تمام جدید تصانیف جمع کی جاتی ہیں تاکہ زبان کی چھان بن کرنے والوں کے لئے کافی مواد موجود رہے۔ عمارت کے اندر سنگ مرمر کے کتبے لگے ہوئے ہیں جن پر مشہور شعرا کا حیدرہ کلام کندہ ہے۔
- برج نبھا شا کے آخری شاعرینڈت سست نرائن آجھانی کی یادگار

میں ایک کمرہ تعمیر کیا گیا ہے۔ وہ تمام عطیات جو بالو پیر شوکم داس ٹنڈن کو سلسلہ دورہ ملتے ہیں اسی کتب خانہ میں داخل ہو جاتے ہیں جن سے اس کتب خانہ کی نادرات کا سرمایہ روز بروز ترقی کرتا جا رہا ہے۔ اس کتب خانے سے ملحق ایک مطالعہ کمرہ بھی ہے جس میں تمام اخبارات و رسائل آتے ہیں۔ پیریاگ میونسپل بورڈ سے بھی سالانہ امداد ملتی ہے۔

ساہتیہ سدن ابوہر کی عمارت بھی اس ادارے کی ملکیت ہے۔

(۳) وکشر بھارت ہندی پرچار سمجھاندہ اس

اس سمجھا کا مقصد بھی جنوبی ہند میں ہندی ہندوستانی کی توسیع ہے تاکہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو جائے۔ ۱۹۱۸ء میں جب کہ ہندی ساہتیہ سملین کا اجلاس زیر صدارت ہاتما گاندھی منعقد ہوا تھا اس سمجھا کے قائم کئے جانے کے متعلق ایک تجویز پاس ہوئی تھی اور یہ کام ہاتما گاندھی نے اپنے بیٹے دیو داس گاندھی اور سوامی ست دیو کے سپرد کیا۔ ہمارا جس صاحب اندورہ جمنالال بجارج اور سیٹھ حکم چند نے اس سمجھا کی مالی ضروریات اپنے ذمہ لیں اور پیر شوکم داس ٹنڈن نے تمام انتظام کا ذمہ لیا۔ یہ تمام امور جن کا ذکر کیا گیا ہے رفتہ رفتہ ہوتے رہے۔ عوام نے بھی اس میں کافی دلچسپی کا اظہار کیا۔ یہاں تک

کہ ۱۹۲۷ء میں یہ سبھا مکمل طور سے قائم ہو گئی اور توسیع و اشاعت کے کام کو نہایت مستعدی سے انجام دیا۔ اس سبھا نے اسکول کھولے اور امتحانات قائم کئے جو اب تک جاری ہیں جنوبی ہند میں ہندی کا رواج اسی سبھا کے ذریعہ سے ہوا۔ اس سبھا کی ایک نہایت وسیع اور عالی شان ذاتی عمارت ہے۔ جنوبی ہند کے دیگر حصص میں اس کی شاخیں قائم ہیں جو اس سبھا کے زیر نگرانی ایسا کام کر رہی ہیں۔ دکن شہر بھارت اخبار اسی سبھا کا اخبار ہے جس کا پہلا نام ہندی پرچارک تھا۔ پنڈت ہری ہر شرما کے زیر نگرانی اس سبھا نے بڑی ترقی کی۔

(۴) مدھیہ بھارت ہندی سہتیہ کمیٹی اندور

اس ادارے کے قیام کے لئے پہلا مشورہ سری مان مادھو راؤ وٹانک کے ایوان میں ۱۲ نومبر ۱۹۱۲ء کو ہوا اور ۱۰ جنوری ۱۹۱۵ء کو یہ ادارہ وجود میں آ گیا۔ اس کا پچیس سالہ کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اس مدت میں ایک پریس مالیٹی تیر ہزار اور ایک عمارت مالیٹی ساٹھ ہزار اور مستقل فنڈ باون ہزار کا پیدا کر لیا۔ ہندی کی توسیع اور اشاعت اس کا مقصد ہے۔ اس ادارہ کی تین سو سے زائد لائبریریاں اور ریڈنگ روم ہیں۔ اس ادارہ سے ایک اخبار ”ویشال“ نکلتا ہے۔ اس کی ترقی کا سہرا سیٹھ حکم چند کے سر پر چھوٹے اپنی انتھک

کوششوں سے اس ادارے کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

(۵) سری ویرنڈر کیشو ساہتیہ پرشدا اورچھا

اس سمجھا کی بنیاد سری سوامی ہندو ہمارا راجہ ویر سنگھ دیوچو بہادر اورچھا کے پہلے سالگرہ کے دربار میں ۵ ارا بریل ۱۹۳۲ء کو قائم ہوئی۔ اس ادارے کی قیام کا سہرا راجہ اورچھا کے وزیر اعظم راؤ راجہ رائے بہادر پنڈت شیا م بہاری مہرا ایم۔ اے کے سر پر ہے۔ یہ ادارہ ہمارا راجہ صاحب اورچھا کا مرثیوں منت ہے اور انھیں کی نظر عنایت سے ہندی کی توسیع کا کام کر رہا ہے۔ ہمارا راجہ صاحب اورچھا ادیبوں اور شعراء کے بڑے مڑی ہیں اور ہر سال اس ادارے کے ذریعہ سے لبنت کے دربار کے موقع پر ہندی کی سب سے اچھی منظوم تصنیف پر دو ہزار روپے عطا کئے جاتے ہیں۔ ایک سال برج بھاشا کی تصنیف اور دوسرے سال کھڑی بولی کی تصنیف کے لئے یہ انعام ۱۹۳۲ء سے جاری ہے۔ اس ادارے نے وسط ہند میں ہندی کی کافی اشاعت کی۔

(۶) ساہتیہ سدن ابوہر (پنجاب)

یہ ادارہ ۱۹۲۵ء میں قائم ہوا۔ ہندی ساہتیہ سمنلیں پریاگ سے اس کا الحاق ہی نہیں ہے بلکہ یہ اس کی ملکیت بھی ہے۔ پنجاب

کے ایک نہایت سرسبز و شاداب مقام پر آبادی سے دور واقع ہے۔
 جہاں قدرتی مناظر سکون اور اطمینان پذیرجہ اتم موجود ہیں، اس کی ملکیت
 میں ایک کتب خانہ اور پریس ہے۔ کتب خانہ کی عمارت میں ادبی خدمت
 کر لے والوں کے قیام کے لئے مکان بنے ہوئے ہیں۔ عمارت نہایت
 شاندار ہے جس کی اکثر سیاحوں نے تعریف کی ہے۔ اس ادارہ نے
 گشتی کتب خانے بھی قائم کئے ہیں جس کے ذریعہ سے چھوٹے چھوٹے
 دیہاتوں میں بھی پڑھنے کا شوق عام ہو گیا ہے۔ یہ ادارہ پنجاب میں
 ہندی کی ترویج و اشاعت اعلیٰ پیمانہ پر کر رہا ہے۔ اس ادارے
 کی تمام ترقی سوامی کیشو انند کی مرہون منت ہے۔ جن کی خدمات اور
 خوش اخلاقی شمالی ہند میں بہ نظر استحسان دیکھی جاتی ہیں۔

جدید ہندی کی موجودہ روش

منظور ہے گذارکش احوال و احوال۔ اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے
 اگر دو اور ہندی ایک ماں کی دو بیٹیاں ہیں، دونوں کا فرض ہے
 کہ ایک دوسرے کے کام آئیں۔ اردو کے متعلق تو کچھ کہنے سننے کی ضرورت
 ہی نہیں کہ اس نے ہندی سے کیا پایا کیونکہ اس کا تو جنم ہی ہندی کے
 دلہن میں ہوا۔ اور اسے بھی ہندوستان میں حق وطنیت اسی طرح حاصل
 ہے جس طرح ہندی کو حاصل ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جدید ہندی جو اپنی
 ترقی و ترویج کے لئے میدان عمل میں گامزن ہے اس نے اردو

سے کیا سیکھا۔ اس بات کا پتہ ہندی کے شرمکاروں کے یہاں سے
 باسانی و بخوبی ملے گا۔

جدید ہندی نثر کے دور اوّلین میں دو گروہ نظر آتے ہیں ایک
 گروہ وہ جو اردو سے قطعاً بچنا چاہتا ہے۔ دوسرا ہندی کو اردو کے
 نقش قدم پر چلانا چاہتا ہے۔ گروہ اوّل الذکر کا یہ شیوہ تھا کہ وہ ہندی
 کے چلتے ہوئے راستوں میں نادانستہ طور پر روڑے بچھانے میں
 کامیابی سمجھتا تھا یعنی سنسکرت کے ثقیل ترین اور نامانوس الفاظ
 استعمال کرنا ہی باعث حسن و خوبی تھا۔ مگر الذکر گروہ نے اردو کی طرز
 تحریر سے ہندی کو بہت فائدہ پہنچایا۔ ہندی کا ایک معتد بہ حصہ
 ایسا ہے جس کی آب و تاب اردو کی درختانیوں سے حاصل ہوئی۔
 اردو ہی کے محاوروں سے جدید ہندی زبان و ادب میں لہجہ پیدا
 ہوا۔ جن لوگوں نے اسے اردو کی ملکیت سمجھ کر خواہ مخواہ اس سے
 مغایرت برتی ہے ان کی زبان خواہ کتنی ہی علمی و ادبی ہو لیکن وہ ایک
 قالب بے جان ہے۔ ہندی زبان کی کثیر التعداد تصانیف خود ظاہر
 کرتی ہیں کہ اس نے اردو سے بہت کچھ لیا۔ تاریخ - تنقید - تحلیل -
 ناول - افسانہ اور سوانح نگاری کی ذل آویز طرز تحریر اردو ہی
 سے حاصل کی گئی۔ ہندی نے سب سے اچھا ذریعہ جو اپنی ترقی
 کے لئے اختیار کیا وہ یہ ہے کہ اردو کی پیدا کردہ شاہراہ پر چل کر
 اپنے لئے ادارہ جات قائم کئے۔ اس پاکیزہ مقصد سے ہندی

نظم و شروٹوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ ہندی کے ادبی رسالے
 اردو رسالوں کی پیروی کر رہے ہیں اور اردو کی غزلیں ہندی
 کے سیکر ادب میں نظر آنے لگی ہیں۔ ہندی کا ذخیرہ بڑھانے کے
 لئے ایسی کتابیں بھی لکھی گئیں جن کی زبان کلیتاً یا کسی خاص حد تک
 اردو ہے۔ صرف رسم الخط ہندی ہے۔ نیز ایسی تصنیفات بھی
 ہیں جن میں اردو کی طرح عربی و فارسی الفاظ بھی بے تکلف صرف
 کئے گئے ہیں۔ بھارتیہ اور ہریش چندر کی تصنیفات میں سنسکرت
 اور عربی و فارسی الفاظ کا خوبصورت توازن قابل قدر ہے۔
 مگر اسے غمیدہ حاضری کی جدت طرازی نہ خیال کرنا چاہئے۔ اب سے
 بہت پہلے کبیر داس وغیرہ بھی اپنی تصنیفات میں عربی و فارسی کے
 الفاظ استعمال کر چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں زمانہ حال کی خصوصیت
 یہ ہے کہ ہندی لغت میں عربی و فارسی الفاظ مستقل رکھ لئے گئے
 ہیں کیونکہ الفاظ کی بہتات ہی سے زبان کی ترقی ہوتی ہے۔ کسی
 غیر زبان پر حیوت چھات کا حکم جاری کرنا وہی برہمنیت ہے جو
 مندر کی چہار دیواری سے نکل کر واسمع میدانوں میں نہ کبھی آئی ہے
 نہ آسکتی ہے۔ برخلاف اس کے جدید ہندی میں یہ قدرت پیدا
 ہو چکی ہے کہ اگر وہ اردو سے میل جول رکھتے ہوئے ترقی کرنا چاہے
 تو اور بھی ترقی کر سکتی ہے لیکن افسوس ہے کہ جدید ہندی کے
 قدم پیچھے ہٹتے نظر آتے ہیں۔ اس کے رہنماؤں کے طرز عمل سے

معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اُلٹے راستہ پر اُلٹے پاؤں پھراننا چاہتے ہیں یعنی
 کئی صدی پہلے لے جا کر سنسکرت سے اس کا نام جوڑنا چاہتے ہیں یا
 خود اسی کو سنسکرت بنانا چاہتے ہیں لیکن افسوس بالائے افسوس یہ
 ہے کہ اس مقصد میں بھی کسی ترقی کی جھلک نہیں ہے بلکہ ہندو مذہب
 کے پہلو روشن ہوتے جاتے ہیں۔ ہم آگے چل کر دکھائیں گے کہ جدید
 ہندو کے وعظ کیسے کیسے نامانوس اور ثقیل الفاظ ایجاد کر کے
 جدید ہندو کی دعوت کر رہے ہیں۔ اس ترقی معکوس پر باستثنائے
 مذہب و ملت ہر اس شخص کو شائستہ ہے جس کو زبان و ادب سے
 محبت ہوتی ہے۔

یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جدید ہندو نے اردو کے پرتو
 سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اردو کے نقش قدم پر چل کر اتنی ترقی حاصل
 کی ہے کہ اب اردو ہی کے مقابلہ میں کھڑی ہو کر ہندوستان کی مشترکہ
 زبان بننے کی مدعی ہے۔

کس نیا موجد علم بتر از من
 کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد
 اس طرز عمل کا نتیجہ نہ صرف ہندی زبان و ادب کے لئے مفید ہے
 بلکہ ملک کی سیاسیات کے لئے بھی سخت مفید رساں ہے۔ اردو
 زبان کی تاریخ جاننے والے عام طور پر جانتے ہیں کہ اس مبارک زبان
 کی بنیاد میں وہ خشتِ اول ہے۔ جس پر ہندو مسلم اتحاد کی عظیم الشان

عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ محبت مساوات اور رواداری کا بیج بونے کے لئے ایک مخلوط زبان کی اشد ضرورت تھی کیونکہ ہندوستان میں مختلف ممالک کے آدمی بستے بٹھے جن کی زبان۔ تہذیب اور معاشرت بالکل الگ الگ تھی اور کوئی مناسب صورت ایسی نہیں تھی کہ سب کو ایک ہی رنگ میں رنگا جاسکتا، لیکن مدبرین وقت کی دوراندیشی اور سیاستین عصر کی کوششوں سے ایک نئی زبان کی تاسیس ہوئی جو دراصل برج بھاشا کا صاف سا پر تو کھی جس کی برکت سے آج تک ہندوستانی مستفیض ہیں۔ باوجود تمام قومی و مذہبی اختلافات کے ملک کے دو بڑے گروہ یعنی ہندو اور مسلمان صرف مشترکہ زبان کی بدولت آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ عرب، ایران اور ہندوستان کے باشندے سب ایک سطح پر آ گئے۔ ان سب کی مجموعی زبان سے جدید زبان کی تشکیل و تکمیل ہوئی جس نے اتفاق و اتحاد کی مستقل بنیاد ڈالی ہے۔ شروع شروع میں یہ زبان برج بھاشا سے اتنی مشابہ تھی کہ اسے ”ہندی“ کہا گیا اور جب اس میں حسب ضرورت ہندی الفاظ کے ساتھ عربی و فارسی الفاظ گھلنے ملنے لگے تو اس کا نام ”ریختہ“ رکھا گیا۔ اس کے بعد جب کہ لسانیاتی حسن و ملاحظہ آرا کشل و زیبائش اور تراش و تراش نے اس میں ہندوستان کی ادبی رانی بننے کی پوری پوری صلاحیت پیدا کر دی تو اس پر بادشاہوں کی نگاہیں پڑنے لگیں اور دلی کے قلعہ سے اردو کے حلی

کا شاندار خطاب ہاتھ آیا۔

اُردو کی یہ ترقی اور عزت افزائی کسی ایک قوم کی مرہونِ منت نہیں ہے، ہندو اور مسلمان دونوں کے مل جل کر اس کو پالا گیا اور پیروان چڑھایا ہے۔ اسی مشترکہ ادب و آزاری کی تائید میں سر سچ بہادر سپرو صاحب فرماتے ہیں۔

”اُردو ہندو مسلمان دونوں کو اپنے آباد و اجداد سے

ایک مشترکہ و مقدس ترکہ کی حیثیت سے ملی ہے

جو قطعاً ناقابلِ تقسیم ہے۔“

سر موصوف کے اس قول فیصل میں اُس ہندو مسلم اشتراکِ عمل کی نہایت مختصر لیکن نہایت جامع و مانع تاریخ و تشریح ہے جس کی برکت سے ہندوستان کی مشترکہ زبان اُردو عالم وجود میں آئی اور ہندو مسلم اتحادِ زمانہ نامعلوم ملک کے لئے مضبوط ہو گیا۔ اب اگر ملک کی بدقسمتی سے اس ”مشترکہ و مقدس“ اور ”ناقابلِ تقسیم ترکہ“ کو تعصب و جہالت کی چھری سے زبردستی تقسیم کیا جائے گا تو ہندو مسلم اتحاد کا کوئی لہجہ باقی نہ رہے گا اور ملک کا شیرازہ الیسا ظہر جائے گا کہ پھر کچھ بنائے نہ بنے گی۔ اُردو میں اسے اتحاد و اتفاق کی ایک آہنی زنجیر کہیے جس کی ہر کڑی مادرِ وطن کے حلقہ بگوشوں کے لئے دائرہ امن و حصارِ عاقبت ہے۔

حیرت ہے ان ذواتِ مختلف الحال پر جن کی لسانی بوالعجبیاں

ابتائے وطن کے لئے خوفناک تراوشیں رکھتی ہیں۔ ایک طرف تو کہا جاتا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد ملک کے لئے جزو لاینفک ہے۔ دوسری طرف اردو کی سخت مخالفت کرتے ہوئے سخت نفاق و شقاق کی وہ جنگاریاں چھوڑی جاتی ہیں جن سے تمام ملک کھسم ہو جائے۔ طوطے، مینا کی طرح ملاپ ملاپ کی رٹ لگانے والے دیبا کے وہ راگ الایتے ہیں جن کے اثر سے تمام فصائے ہند کشیں ہو کر (ققنس) موسیقار کی آخری موبیا بن جائے۔ اس سے زیادہ آگ لگانے والی بات اور کیا ہوگی کہ اردو کے ساتھ نہایت متعصبانہ انداز میں کہا جاتا ہے کہ یہ قرآنی حروف میں لکھی جاتی ہے۔ کٹر سے کٹر ہندو اس سے زیادہ چھوت چھات کی یو جا نہیں کر سکتا کہ اسے قرآنی حروف بھی گوارہ نہ ہوں۔ حالانکہ اردو کے تمام حروف صورتاً عربی نہیں ہیں بلکہ فارسی ہیں اور آواز کے اعتبار سے ٹ۔ ڈ۔ ژ اور وہ تمام حروف مرکب جو ہائے ہمزہ سے مشترک ہو کر بنتے ہیں جیسے بھ۔ جھ۔ گھ وغیرہ سب سنسکرت کے حروف ہیں۔ الفاظ کا بھی یہ عالم ہے کہ اردو میں فیصدی ۲۵۔۳۰ سے زیادہ عربی و فارسی الفاظ نہیں ہیں۔ ان میں بھی بکثرت ایسے ہیں جو منجھتے منجھتے ہندی کے برابر ہو گئے ہیں اور عام طور پر تمیز نہیں کئے جاسکتے کہ یہ عربی و فارسی ہیں یا ہندی ہیں۔ مثلاً۔

آرہ۔ اتر۔ تو پڑہ۔ تو شک

فارسی نژاد ہیں۔

تماشا۔ تمبھس۔ طوفان۔ خیرات

عربی الاصل ہیں۔

اسی طرح سیکڑوں الفاظ ہیں کہ باوجود عربی و فارسی ہونے کے ہندی
الفاظ کے ساتھ گھل مل گئے ہیں۔ اگر محض قصص کی بنا پر انھیں علیحدہ
کیا جائے گا تو یہ پاکستان کا تباہی لعلت بن کر رہیں گے اور جدید ہندی
کی جوگت بنے گی وہ ابھی سے قابل صد افسوس ہے۔

ہم ہندوستانی ہیں ہمیں ہندوستان کی ہر چیز سے محبت ہے
اور ہونا چاہئے۔ اگر ہم اردو کے ہی خواہ ہیں تو ہندی کے دشمن نہیں
ہیں۔ ہمیں اس سے بھی اُلفت ہے۔ افسوس ہے کہ اردو کی مخالفت
میں ہندی کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں ہو رہا ہے۔ اس کی
سلاست و شکفتگی اور دل کشی و دل آویزی کو بری طرح ٹھیس لگ
رہی ہے۔ ہندوستانی کے نام سے مندروں میں بسنے والی کٹر برہمنوں
کی زبان اختیار کی جا رہی ہے۔ مشترکہ زبان کے تعلق کہا جاتا ہے کہ
ایسی عام فہم ہو کہ شمالی ہند میں بلا تفریق مذہب عام طور سے سمجھی اور
بولی جائے۔ نام ہندوستانی ہو اور رسم الخط اردو ہندی دونوں ہوں
لیکن کیا یہ جاتا ہے کہ نام ہند عام فہم ہندوستانی میں سنسکرت کے
غریب و نامانوس الفاظ کی بھرمار ہو رہی ہے اور جب کوئی ٹوکتا ہے
تو جواب ملتا ہے کہ ہم سنسکرت الفاظ اس واسطے داخل کرتے ہیں کہ
جنوبی ہند والے بھی ہندوستانی کو اپنی زبان سمجھیں حالانکہ جنوبی ہند
میں سنسکرت الفاظ صرف اعلیٰ ادبیات میں ہیں، عام زبان سنسکرت
نہیں ہے۔ وہاں کے باشندے اپنی زبان میں سنسکرت کی نامناسب

آئینہ نش لیست نہیں کرتے۔ اُن کا خیال ہے کہ ہندوستانی کے دھوکے میں سفسکرت سکھا کر ان کی تہذیب کا خون کرنا ہے۔

کمال افسوس ہے کہ ہندوستانی کے نام سے ایک ایسی ناقابل قبول زبان اختیار کی جا رہی ہے جس کو جنوب و شمالی اور مغرب و مشرق میں کہیں مشترکہ یا منفردہ ہونے کا شرف حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نام ہندوستانی یا جدید ہندی کا کھوٹا سا نمونہ پیش کر دیا جائے جس سے اندازہ ہو کہ ”ہندی پساروں“ کی اُتچ سے ہندی کون سے ایسے چولے میں جا رہی ہے جو اس کے رنگ روپ اور نیکہ سکھ کو بگاڑ رہا ہے اور ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے بلا تفریق مذہب عام طور پر بولی اور سمجھی جانے والی کون سی عجیب و غریب زبان ہے بھارت سماہتیہ پردیش کے اجلاس ناگیور منعقدہ ۱۹۳۸ء میں گاندھی جی اسی اپنی عام فہم زبان میں بایں الفاظ خطبہ صدارت ارشاد فرماتے ہیں :- اس سمجھا کا سمجھا پتتو دینے کے کارن جب میں ڈھونڈھتا ہوں تو دو ہی پریت ہوتے ہیں ایک میرا سماہتہ کارنہ ہونا اور اس لئے کم سے کم دولش کا کارن ہونا تھا دوسرے میرا ہندوستان کی سب کھا کھاؤں کا پریم۔ جو کچھ ہو میں آشاکرتا ہوں کہ ہم کچھ نہ کچھ سیوا کریں گے اور کھوشیہ میں اپنا سیوا کشتیر بڑھا دیں گے۔۔۔۔۔ اس پردش کے پریتیک کھاگ کے سماہتیہ کار کھا شاستری۔۔۔۔۔

جدیدہ بھی قابل دید و شنید ہیں۔ ذیل میں اُن کا کھوڑا سا نمونہ ملاحظہ ہو۔
 ہر لفظ کے سامنے اس کا اُردو ترجمہ اس لئے لکھ دیا جاتا ہے کہ ناظرین
 اُسے دیکھ کر گھبرانہ اُٹھیں کہ کوئی بلا ہے:۔

گھوسٹران.....	اعلان
دھوڑ شلا کا.....	دیا سلامی
جٹ صوبہ.....	اُتر پردیش
ورشا.....	برسات
کرشک.....	کسان
اُلتو.....	میلہ
مکتسا.....	علاج
آئے.....	آمدنی
وہیہ.....	خرچ
اُلتی تھی.....	حاضری
آئیہ لوگ.....	مقدمہ
آئیہ یوکت.....	لمزم
گھٹا ادوے.....	مدعی
جھگڑا پھڑو.....	مدعا علیہ
مدم سوال.....	ضمنی سوال
یو تھی.....	مسئل

جھنگڑا گھر (یا) نیا سائے گھر..... عدالت

فن تراجم کی عجیب و غریب مثال قائم کرنے کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد اور شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی اور جمعیتہ العلماء کا بھی حیدر ہندی یا ہندوستانی میں ترجمہ کر ڈالا گیا۔

ابوالکلام آزاد..... ہر ایک کو چھوٹا

شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی..... کوی پلٹو ابال نوں پوری

جمعیتہ العلماء..... نیتاؤں کا جگھٹ

یہ بڑے دشمنان تھے اور لالہ دولت رام نے مدراس پنجاب کے لئے آرٹ آف اننگلش ٹرانسلیشن (ہندی) شائع کیا ہے۔ اس کے دو چار جملے ملاحظہ ہوں۔ جن میں اکثر الفاظ متذکرہ بالا استعمال کئے گئے ہیں۔

دو ڈاکٹر صاحب کئی دن سے میرے لڑکے کا چکستا (علاج)

کر رہے ہیں۔

”کیلا میرے آماشے (معدے) کے آنکول نہیں۔“

”اپنی آسے (آمدنی) کو بڑھاؤ اور وہیہ (خرچ) کو کم کرو۔“

”آؤ آج افسوس (میلہ) دیکھنے چلیں۔“

”جب میں اسکول پہنچا تو ادھیان پات اپستھتی (حاضری)

بھاڑ رہا تھا۔“

”جب اس کا مکان گرایا گیا تو اس نے میو پلٹی پیرا بھو لوگ

(مقدمہ) چلایا۔“

ان تمام اقتباسات میں یہ امر اظہار من الشمس ہے کہ جدید ہندی کہیں سے کہیں جا رہی ہے۔ آسان اور عام فہم ہونے کے بجائے سخت قسم کی سنسکرت بن رہی ہے۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلمان ترجمان ہزاروں اور لاکھوں ہندو بھی جدید ہندی یا ہندوستانی کو سمجھتے ہوئے معذور رہیں ”ایجاد بندہ“ کے زعم میں جدید ہندی کو چیتاں بنایا گیا ہے۔ جدید ڈکشنری بنانے والے سے کوئی پوچھے کہ ”برہمات“ ”دھرم“ ”دیا سلائی“ اور ”میل“ بھی کیا عربی و فارسی الفاظ ہیں کہ انہیں بحال کر درشاہ کر شک۔ ڈھوڑ خلا کا اور آتسو جیسے حسین الفاظ سے ہندی کی خوبصورتی بڑھائی گئی ہے۔ لیکن وہاں تو مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں پنڈتوں کی زبان رواج پذیر ہو حالانکہ

اس خیال ست و محال ست و جنوں
اسی سلسلے میں پنڈت گرو دھرم شاہ کی ایک ستم ظریفی بھی دیکھنے کی ہے
کو یہ کسی طرح بھی گوارہ نہیں کہ ہندی میں سنسکرت کے نامانوس اذکار
کھولتے جائیں۔ چنانچہ آپ ہدایت فرماتے ہیں ایک ہی بات اس
زبان میں ہے یہ ملاحظہ ہو۔

”سنسکرت۔ مایا بنا کر آپ نے بنگال ہمارا شہر میں ہندی
کا پرچار کر لیا۔ کتو وہ کتو ل شگستوں کی بھاشا بن گئی۔
سرد سادھارن اسے بالکل نہ سمجھ سکے تو کیا لایا۔ ہوا۔ آگہ
کیا ہوا بڑی بانی ہوئی۔ ہندی بھاشا میں ہندی بھاشا کے

شبد ہی پر تھم لینے چاہئے۔ لیکن جب ان سے آدھنک پوری نہ ہو تب سنسکرت
سے سترل شبد لینے چاہئیں۔

ناصح فاضل سے کون پوچھے کہ مہراج آپ کس زبان میں نصیحت
فرما رہے ہیں۔ آپ ہندی پر جا کر کرتے ہیں یا سنسکرت پر جا رہے۔

افسوس ہے کہ اردو کی مخالفت میں ایک ایسی انوکھی زبان اختیار
کی جا رہی ہے جس سے ہندی ادب کی تمام خوبیاں خطرے میں ہیں۔
ایجاد و اختراع کا ہر پہلو مٹ چکا۔ انگریز طریقہ پر اختیار کیا جا رہا ہے۔ چند
الفاظ جو سطور بالا میں نقل کئے گئے ہیں ان سے طباعی کی ستم ظریفوں کا
صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔ یہ بات اچھی طرح واضح رہے کہ زبان کسی فرد
یا چند افراد کی کوششوں سے نہیں بنتی۔ زبان بنتے بنتے بنتی ہے۔ زبان
بنانے والی ایک پوری قوم کی قوم ہوتی ہے جس میں بڑھے، لکھے، جاہل
شہری، دیہاتی، مزدور، تجار اور مختلف حالات و اثرات رکھنے والے ہستیار
اشخاص ہوتے ہیں جن کی بول چال اور طرز معاشرت سے صدیوں میں ایک
زبان تیار ہوتی ہے۔

تاسیس لسانیات کے بارے میں جو دعویٰ علماء کے ہو سکتے ہیں
تقریباً وہی دعویٰ جہلا کے عمل سے غیر محسوس طریقے پر ہوتے رہتے
ہیں بلکہ بعض مواقع پر عالمانہ زعم رکھنے والے جاہلوں کے مقابلہ میں ٹھوکر
کھا جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ انگریزی الفاظ نگینو اور پازٹینو کا ترجمہ
ثبت اور منفی میں کیا گیا تو یہ ادق الفاظ کس کی زبان پر نہ آئے۔

لیکن بجلی گھر کے مزدوروں نے جب گرم تار اور ٹھنڈا تار کتنا مشرور کیا تو ٹنگیٹو اور یازیشیو کا ترجمہ مقبول عام ہو گیا اور سب کی زبانوں پر چڑھ گیا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ زبان مختلف حالات و اثرات کے ماتحت عالم وجود میں آتی ہے۔ ایک شخص یا چند اشخاص اُن تمام مختلف حالات و اثرات سے کہاں تک متاثر ہو سکتے ہیں جن سے انسانی زندگی کو سابقہ پڑتا رہتا ہے۔

کیا تندرست کی زبان سے آہ نکل سکتی ہے بیمار فقہ نگا سکتا ہے۔ دولت مند افلاس اور مفلس دولت کی حقیقت سمجھ سکتا ہے۔ تاجر کسان اور کسان کے مصطلحات کا موجد نہیں ہو سکتا۔ شہری دیہاتی اور دیہاتی شہریوں کی اصطلاحات کیونکر ایجاد کرے گا۔

غور کرنا چاہئے کہ ہزاروں اختلافات کی موجودگی میں محض چند افراد کسی زبان کی تکمیل کیونکر کر سکتے ہیں۔ اصطلاحات مختلفہ کی ایجاد مختلف نہج کے لوگوں سے ہوتی ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ زبان بتانے والی ایک پوری قوم ہوتی ہے جس میں مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور ان کے آلیس کے معاشرتی اختلافات بکثرت ہوتے ہیں۔ ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی اس امر کا ثبوت ہیں کہ وہ کئی ایک شخص کی ایجادیں ہیں۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ گھر میں بیٹھ کر ایک لغت تیار کر کے کسی نئی زبان کا موجد بن جائے تو یہ ناممکن بات ہے۔ زبان ماہ دو ماہ یا سال دو سال میں نہیں بنتی۔ اسے بتانے کے لئے صبر

گورنمنٹ کی عام مقبولیت اور کانگریس کی ترشروٹی مدراس اور یو۔ پی
 کی گورنمنٹوں کے کارناموں سے خوب نمایاں ہے۔ ایک طرف تو
 وزیراعظم مدراس ہیں جنہوں نے اردو کی مقبولیت کو کم کرنے کی
 خاطر نہ اصول کی پروا کی اور نہ قومی مفاد کی۔ آپ ہی نے اسس
 تریسم شدہ قانون (Amendment Act) کو نافذ کیا جس
 پر کانگریس اپنی ساری زندگی میں پُر زور لہجہ میں لعنت طاعت کرتی چلی
 آتی ہے۔ دوسری طرف سینٹ صاحب وزیراعظم یو۔ پی کے عہد حکومت
 میں بندت پیارے لال شرما وزیر تعلیم کو مستعفی ہونا پڑا کیونکہ وہ ہندی
 کے لئے اپنے ضمیر کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ یہ ہے ہماری آزادی،
 افسوس صد افسوس۔ اگر آپ وہ تقریریں دیکھیں جو یو۔ پی گورنمنٹ
 کے لکھنے پڑھنے کے دن کی تقریب میں کی گئیں تو مصائب ظاہر ہوتا ہے
 کہ کسی خاص مقصد سے ایک مشن ہے اور مصائب زبان کو بھونکا کر ایک
 نامالوس اور لقیل زبان کو عام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔
 اس امر سے نہ کوئی ان سامعین میں سے جن میں کہ یہ تقریریں سننے کا
 فخر حاصل ہوا اور تقریریں کرنے والوں میں سے کوئی منکر ہو سکتا
 ہے کہ وہ زبان جو اس وقت تقریروں میں استعمال کی گئی اور سی ورنج
 پر مبنی اس کے کہ ہندوؤں میں خوشی یعنی کے موقع پر جب
 برہمن سنسکرت میں فارہی دعائیں اور اشلوک پڑھتے ہیں استعمال
 نہیں کی جاسکتی۔

ایسی زبان سے فائدہ۔

اس اقتباس سے حسب ذیل فقرات کو علیحدہ کرنے سے مخصوص امور کا انکشاف ہوتا ہے:-

(۱) ہندوستانی سے مراد ہندی۔

(۲) اردو کو ہر ممکن طریقے سے نیست و نابود کرتا۔

(۳) اردو کی عام مقبولیت اور کانگریس کی ترشروی۔

(۴) ایک شستہ اور صاف زبان کو چھوڑ کر ایک نامانوس اور ثقیل زبان کو عام کرنے کی کوشش۔

(۵) ایسی زبان سے فائدہ۔

ان پانچ فقرات کو ذہن نشین کرنے سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آجائے گی کہ اردو کے خلاف ”ہندوستانی“ کا غارہ لگا کر ہندی کا چہرہ بگاڑا جا رہا ہے۔ ہندوستان کی زبان عامہ بنانے کے عوض وہ زبان بنائی جا رہی ہے جو خاص برہمنوں کی زبان ہے اور بقول مضمون نگار موصوف وہ زبان استعمال کی جاتی ہے جس میں برہمن مذہبی دعائیں یا اشلوک مخصوص موقعوں پر پڑھتے ہیں اور سنسکرت کا خاص طور پر حق ادا کرتے ہیں۔ جب ہندی نوازی کا یہی عالم ہے تو ہیرالال سنوڈھی کیا تمام دنیا کے غریبوں کو ایسی زبان سے فائدہ؟ بات یہ ہے کہ

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلمان ہو گیا

اُردو داں طبقہ میں دو چار قاریان عرب و عجم پیدا ہو گئے۔
 اُکھوں نے اُردو میں عربی و فارسی الفاظ و تراکیب سے اپنی
 مخصوص زبان کی نزاکت و ثقالت میں تمیز نہیں کی۔ ہندو مسلمان
 کوئی کبھی اس زبان سے خوش نہ ہوا، مگر ہندی کے متعلقین اس
 کے جواب میں ہندی کی لطافت و نزاکت کو اپنی بنائی ہوئی
 سودیشی دھوم پٹھلا کا دکھانے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ کاش میرے
 معروضات پر غیر منصفانہ انداز میں نگاہ ڈالی جائے اور ٹھنڈے
 دل سے غور کیا جائے کہ ہندی زبان و ادب میدانِ عمل میں آگے
 بڑھتے والا ہے یا رہنماؤں کی اُلٹی چال سے پیچھے ہٹنے والا ہے۔
 اُردو ہندی کی نزاع کو دور کرتے ہوئے ہندوستان کی دونوں
 زبانوں کو ترقی حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ ملک میں اگر
 رہیں گی تو یہی زبانیں رہیں گی۔ بدیسی زبان ناخواندہ مہمان
 ہے۔ اُردو اور ہندی محبت اور یریکم کی مستحق ہیں۔ ایک کی
 ضد میں دوسری کو برباد کرنا اور سناٹا ہی سناٹہ خود بھی برباد
 ہونا دانشمندی کے خلاف نہیں ہے تو اور کیا ہے۔
 اکبر الہ آبادی مرحوم کتنے پہلے زبان کے متعلق اپنی
 مندرجہ ذیل رباعی میں حکم لگا چکے ہیں:۔
 اُردو میں جو سب شریک ہونے کے نہیں
 اس ملک کے کام ٹھیک ہونے کے نہیں

ممکن نہیں شیخ امراء القلیس بنیں
 بندت جی والملیک ہونے کے نہیں
 روادا لای کے ساتھ ہمیں "جیو اور جینے دو" کے سنہرے
 اصول پر کار بند ہونا چاہئے تاکہ اردو اور ہندی ادب کی ترقی میں
 کوئی رکاوٹ نہ ہو۔
 "بڑا امر اس ملاپ میں ہے کہ صلح ہو جائے جنگ ہو کر"



نیشنل پرسنل آباد میں یا ہتمام رمضان علی شاہ چھی